بلوچی لوک داستانیں

غوث بخش صابر

بلوچی لوک داستانیں

Balochi Academy Quetta
ACC NO. 203
LIBRARY

غوث بخش صابر

بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ

© بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

نام کتاب	.....	بلوچی لوک داستانیں
تالیف	.....	غوث بخش صابر
کمپیوٹر کمپوزر	.....	نذر بلوچ
ڈیزائننگ	.....	عزیز جمالدینی
پروف ریڈر	.....	غوث بخش صابر
چھاپ اول	.....	1996
چھاپ دوئم	.....	2011
پرنٹرز	.....	ہائی ٹیک پرنٹر
شنکار	.....	بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
تعداد	.....	500
قیمت	.....	300/-

ISBN: 978- 969 - 8557 - 86- 7

انتساب

محبت اور روشنی

جو بلوچی لوک داستانوں کے حقیقی مآخذ ہیں

فہرست

ا۔	پیش لفظ	اثیر عبدالقادر شاہوانی	1
1۔	خودکلامی		2
2۔	سسّی و پُنوں		5
3۔	حمل وماہ گنج		29
4۔	حانی وشہہ مرید		52
5۔	بی برگ وگراناز		78
6۔	شہداداور مہناز		103
7۔	لَلّہ وگراناز		119
8۔	عزّت ومہرک		147
9۔	سیمک ونتھاَ		160
10۔	شیرین ودوستین		168
11۔	کیاَو صدو		180
12۔	بالاچ گورگثیر		191
13۔	مَست وسَمّو		217

پیش لفظ

بلوچی اکیڈمی 1958 سے بلوچی زبان وادب ،ثقافت،تاریخ اور روایات کے فروغ اوران کے تحفظ کیلئے سرگرم عمل ہے۔

بلوچی اکیڈمی نے بلوچی زبان وادب کے علاوہ بلوچ قوم اور بلوچستان کے بارے میں مختلف اور ہمہ نوع موضوعات پر بلوچی سمیت ،اُردو،انگریزی اور فارسی میں متعدد کتابیں شائع کی ہے۔اسی طرح علمی وادبی ،تاریخی وثقافتی سرمایہ جوسینہ درسینہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں، ہم نے ان کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیے ہیں۔

بلوچی اکیڈمی اپنے قیام سے اب تک تین سوسے زائد کتابیں شائع کی ہے۔جو زیادہ تر بلوچی ادب، روایات،تہذیب وثقافت، تاریخ،قدیم قصے کہانیوں، گرائمر اور سوانح خاکوں پر مشتمل ہیں۔

بلوچی اکیڈمی کی جانب سے شائع شدہ کتابیں یونیورسٹی کالجوں اور اسکولوں کے علاوہ فیڈرل اورصوبائی پبلک سروس کمیشنز کے مقابلاتی کورسز میں شامل ہیں۔اس لئے ان کی مانگ بہت زیادہ ہے۔ جب کہ یہ کتابیں ختم اور نایاب ہوگئی ہیں۔اس لئے ہم انہیں دوبارہ شائع کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں۔

جناب غوث بخش صابر کی لکھی ہوئی کتاب ''بلوچی لوک داستانیں'' بھی ان نایاب کتابوں میں شامل ہے۔لہذا ہم انہی ضرورتوں کے لئے یہ کتاب پھر سے شائع کررہے ہیں،تاکہ ضرورت منداس سے استفادہ کریں۔

کوئٹہ — اثیرعبدالقادرشاہوانی

11دسمبر2010 — جنرل سیکرٹری

خُود کلامی

ایک رسم سی چلی آ رہی ہے کہ جب کوئی کتاب چھپنے کیلئے تیار ہو جاتی ہے تو احباب سے رجوع کیا جاتا ہے وہ کتاب کے مندرجات یا مصنف و مؤلف کے بارے میں اپنے تاثرات رقم کر دیتے ہیں اس سے ایک طرف اگر لکھنے والے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ چھپنے سے پہلے اسے اپنی کوتاہیوں کا پتہ چل جاتا ہے تو دوسری جانب یہ بھی ایک مثبت پہلو سامنے آ جاتا ہے کہ جس موضوع پر کتاب لکھی گئی ہے لکھنے والے کی بصیرت سے جو کچھ چوٹ گیا ہے پیش لفظ میں آ جاتا ہے یا کم از کم پڑھنے والوں کو ایک سے زیادہ خیالات کو اس موضوع پر سمجھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ میں بھی اس رسم کا قائل ہوں۔ جو دوست میری استعداد اور معلومات پر قانع ہو کر مجھ سے اس قسم کی فرمائش کرتے ہیں میں اپنے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر پہلے ان کے حکم کی تعمیل و تکمیل کرتا ہوں اسلئے کہ میں سمجھتا ہوں اپنی ذات میں صرف اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے کہ اُس نے اس جہاں میں انسانوں کو انسانوں کا کسی نہ کسی صورت معاون و مددگار بنایا ہے۔ یہ جو کچھ علم کی نعمت ہمیں بخشی گئی ہے۔ اسمیں صرف کرنے سے ہی برکت آتی ہے۔ یہ سب سہی مگر قسمت کی ستم ظریفی دیکھیئے کہ میں نے کم و بیش اٹھارہ کتابیں مکمل کی ہیں ہر کتاب کسی نہ کسی مہربان دوست کو پیش کر کے یہی استدعا کی ہے کہ کچھ لکھ دیجئے۔ انکار کسی نے بھی نہیں کیا۔ لکھ کر کچھ کسی نے بھی نہیں دیا۔ یہ مسودہ بھی اسی روایات کے تحت کئی مہینوں تک احباب کے مطالعے میں رہا میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہوں نے میری پیٹھ ٹھونکی مگر نتیجہ حسب سابق ہی رہا۔ میں بیشک احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوں لیکن بیشک اُن کی مجبوریوں کو سمجھتا ہوں یہ مجبوریاں معاشرتی اونچ نیچ سے غیر شعوری طور پر پیدا ہوئی ہیں اور جب تک

ہم نا قابل فخر معاشرتی تفاخر سے آزاد نہیں ہو جاتے مجھ جیسے گمنام، کم کیسہ ءکم مرتبہ لکھنے والے کی کتاب پر پیش لفظ کا بلا تکلف حقیقی تصور سے بعید ہوگا۔

اس کتاب میں، میں نے کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا ہے یہ ساری داستانیں صدیوں سے ہماری تاریخ اور ثقافت کی تہوں میں محفوظ چلی آئی ہیں کچھ کا ذکر اجمالاً یا تفصیلاً کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ میری کاوش صرف انہیں جمع کر کے نوک پلک سنوارنے تک محدود ہے۔ تاہم اس سلسلے میں میرا اپنا نقط نظر ہے۔ وہ نقط نظر میں اس طرح بیان کر سکتا ہوں۔

یہ داستانیں دوسروں نے بھی لکھی ہیں کسی نے صرف ان کے بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے کسی نے ان سے متعلق موجود اور دستیاب کلام کو رقم کیا ہے۔ کچھ نے علاقوں تک خود کو محصور و محدود رکھا ہے کوئی ایسی کتاب نہیں جسکے مطالعے سے ان داستانوں کا ہمہ جہتی حُسن نکھر کر سامنے آ جائے۔ میں نے علاقائی اور جغرافیائی دائروں کو پھلانگنے کی پوری کوشش کی ہے اگر کہیں اس ضمن میں کوئی تشنگی محسوس ہو تو یہ میرے نیت کی نہیں کم علمی کی دلیل ہوگی۔

بلوچی عوامی داستانوں کے بارے میں اس رائے کا ہوں کہ بلوچی ہو یا ہمعصر کوئی دوسری زبان داستان کیلئے شاعری سند کا درجہ رکھتی ہے اگر کسی داستان کی پشت پر شاعری نہیں ہے تو میں اُسے داستان ماننے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ یہ شاعری ان داستانوں کے اپنے کرداروں کی بھی ہو سکتی ہے جیسے کہ شہہ مرید، بیبرگ، مہناز، بالاچ اور سیمک یا مست توکلی وغیرہ اور ایسی بھی ہو سکتی ہے جو بعد میں آنے والوں نے داستان سن کر رقم کی ہے جیسے شیرین دوستیں، سسی پنوں، حمل جیئند کیا اور صدو وغیرہ۔ بلوچی اس اعتبار سے پاکستان کی بہت سی دوسری زبانوں سے ممتاز ہے کہ اسمیں داستانوں کے اپنے کرداروں

کی زبان میں مستند کلام ملتا ہے ورنہ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمسر زبانوں میں بہت سی عوامی داستانوں کا مذکور دوسرے نامور شعراء کا محتاج بیان رہا ہے۔ جیسا کہ ہیر رانجھا جسے سیّد وارث شاہ نے، مرزا صاحبان جسے پیلو اور حافظ برخوردار نے، عمر ماروی وغیرہ جسے شاہ عبداللطیف بھٹائی نے شاعری کے قالب میں ڈھالا۔

عجیب بات ہے کہ سسی پنوں کی داستان کے ہیرو پنوں کا تعلق مکران سے ہے۔ لیکن ہمارے ادب میں اُسے وہ مقام نہیں دیا گیا جو مقام اُسے سندھی، سرائیکی، پنجابی زبانوں نے دیا۔ کیا اس ''سیالداری'' کا زہراب تک بلوچی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ کہ سسی پنوں کے معاشقے میں سسی کا تعلق ہمارے علاقے سے نہیں۔ میں نے مختلف حوالوں سے یہ کوشش کی ہے کہ سسی پنوں کے بارے میں جو لایعنی باتیں کہی گئی ہیں اُن کا علمی حلقوں میں ازالہ ہو سکے۔ مانا کہ اس داستان کی روایت بلوچی معاشرتی روایات سے میل نہیں کھاتا۔

اس کتاب کی ترتیب میں جیسا کہ میں نے قبلاً عرض کیا ہے دوسری کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ چنانچہ میر شیر محمد مری کی کتاب کہنیں بلوچی شاعری۔ میر گل خان نصیر کی کتاب شیریں دوستیں، میر یوسف گچکی اور میر بشیر احمد بلوچ کی کتاب لَلّہ وگراناز، میر محمد اکرم صاحب خان کی کتاب یات سنوغات میرے پیش نظر رہی ہیں ان سے استفاضہ کرنے پر میں ان حضرات کا شکر گزار ہوں۔

میں تمام دوستوں اور قارئین سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ جہاں انہیں کہیں واقعاتی کوتاہی نظر آئے میری راہنمائی فرمائیں تا کہ ثریا تک دیوار کج نہ رہے۔

۱۰/نومبر ۱۹۷۸ء

غوث بخش صابر کوئٹہ

سَسّی پُنوں

خدائے لم یزل نے کچھ انسانوں کا خمیر محبت سے تیار کیا ہے ایسے انسان خود تو فناء ہو جاتے ہیں مگر محبت کی قوت سے اپنے نام جریدہ عالم پر ثبت کر کے خود کو اور محبت کو دوام بخش دیتے ہیں۔ سَسّی اور پنوں دو ایسے ہی عاشقان صادق تھے جن کے پاک انفاس لوک گیتوں اور لوک داستانوں میں جذب ہو کر سندھ اور بلوچستان کی فضاؤں میں رچ بس گئے ہیں جن کی محبت خوشبو بن کر صرف ارض پاک ہی میں نہیں پورے برصغیر میں عارفانہ شاعری، ادب اور ثقافت کی روح میں تحلیل ہو چکی ہے۔ اور جب تک محبت کا ایک بھی نام لیوا اس دھرتی پر موجود رہیگا، عرفانِ وفا سے معمور یہ نام زندہ رہیں گے اور سرزمین سندھ اور بلوچستان کی قربت و مؤدت کے باعث ہوں گے۔

سَسّی اور پنوں کی محبت کی داستان سندھ پنجاب اور بلوچستان کے ہر گھر میں معروف ہے۔ سندھ، پنجاب اور بلوچستان کے عارفانِ حق نے ''تلاش حق'' کے ان متلاشیوں کو اپنے کلام کے ذریعے زندہ جاوید بنا ڈالا ہے۔ علیٰ الخصوص حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ، حضرت سچل سرمستؒ، بابا بلھے شاہؒ، حضرت سلطان باہوؒ اور بابا فریدؒ نے کل شئی راجع الیٰ اصلہ کے ارشاد ربانی کو دلیل و برہان بنا کر سَسّی پنوں کے ناموں کو رمز و استعارہ کی زبان دے ڈالی ہے۔ چنانچہ ایسے عشاقِ باصفا کا ذکر عام محفلوں میں آتا ہے تو لوگ انہیں درجہ بزرگی و ولائت پر فائز سمجھ کر نہایت عقیدت و احترام ظاہر کرتے ہیں جن کو موقع اور استطاعت ہوتی ہے۔ وہ ان کے مقابر پر جا کر اپنی عقیدت کے اظہار کے ساتھ ہی دلی مرادیں پانے کے تمنا کرتے ہیں۔

عام قصہ :۔ سَسّی پنوں کی داستان عشق سندھ اور بلوچستان میں یکساں مذکور ہے چند ایک غیر اہم باتوں کو چھوڑ کر اس کا قصہ ایک ہی طرح عوام میں جا گزین ہے۔ تاہم بلوچستان میں خواندگی کی عصری کمی کے باعث اسکی تحقیق و تدقیق علمی پیمانے پر نہیں کی گئی ہے۔ اس تحقیق کی تشنگی یہاں سندھ کے قابل قدر دانش ور جناب ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے شکریہ کیساتھ درج کر کے بجھائی جائیگی۔

سَسّی پنوں کا عام قصہ اس طرح ہے کہ سَسّی ایک متمول ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی والدین نے طالع ہندی معلوم کرنے کیلئے جوتشیوں سے رجوع کیا، جوتشیوں نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا جوان ہو کر یہ کسی مسلمان کے عشق میں مبتلا ہوگی۔ والدین کو مستقبل کی یہ بدنامی گوارا نہ تھی انہوں نے صندوق میں بند کر کے بہا دیا۔ بھنبھور کے ایک دھوبی کے یہ صندوق ہاتھ لگی، ساتھ میں زر و جواہر بھی تھا چنانچہ دھوبی نے نہایت ناز و نعم سے سَسّی کی پرورش کی جوان ہوئی تو چاند شرمانے لگا۔ بہت سے رشتے آئے مگر سَسّی کسی پر راضی نہ ہوئی پھر کیچ مکران کا شہزادہ پنوں اُسے بیاہنے آیا، اُن کا بیاہ ہوا۔ مگر شاہ مکران کو اپنے شہزادے کی جدائی شاق گزری۔ انہوں نے پنوں کے بھائیوں کو بھنبھور بھجوا کر پنوں کو بیہوش کر کے اٹھایا۔ سَسّی کو جب حقیقت حال کا علم ہوا تو وہ پنوں کی تلاش میں مکران چل دی۔ راستے کی صعوبتوں نے اُسے نیم جان کر دیا اتنے میں ایک چرواہے کی نظر پڑی چرواہا سَسّی پر بُری نیت رکھتا تھا سَسّی نے صدق دل سے دُعا مانگی زمین شق ہوئی وہ اسمیں سما گئی۔ مکران کے راستے میں پنوں کو ہوش آیا تو بھائیوں سے لڑ جھگڑ کر وہ دوبارہ سندھ کی جانب چل دیا، راہ میں چرواہے کی زبان سے سَسّی کے زندہ زمین میں سما

جانے کا ماجرا سُن کر پنوں نے بھی دُعا مانگی، زمین ایک مرتبہ پھر شق ہوئی وہ بھی اسمیں سما گیا یوں باوفا عاشق و معشوق دوامی وصل سے مستفید ہوئے۔

یہ کہانی سندھ بلوچستان اور دوسرے علاقوں میں اسی طرح مشہور ہے تاہم مختلف علاقوں میں قوی طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ سسّی ایک ہندو ریجہ کی بیٹی تھی۔ کچھ نے اسے متمول خاندان سے متعلق قرار دیا ہے۔ ایسے قصوں میں یہ ضروری نہیں سمجھا گیا کہ سسّی کے والدین کے ناموں کی تحقیق کی جائے یا اُس شہر، علاقے اور قریے کی نشاندہی کی جائے جو اس قصے کی تاریخی حقیقت اجاگر کرنے کیلئے ضروری ہے یوں بھی لوک داستانوں کیلئے ایسے معاملات کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ بلوچی میں سسّی پنوں کے قصے سے بھی تقریباً ایسا ہی سلوک کیا گیا ہے۔ یہ نظم ذیل میں سسّی پنوں کے قصے کے ماخذ کے طور پر درج کی جاتی ہے۔ اسمیں کہیں کہیں ترجمے کی غلطیاں سامنے آئیں جنہیں درست کردیا گیا ہے۔

بلوچی نظم

ورنائے جواں کیچ ءِ بھر ءَ	کیچ میں ایک سجیلا جوان رہتا تھا
پنوں ئے نام پیدا ور ءَ	پنوں کے نام سے مشہور تھا
گوشت عالی(۱) ءَ گوں اے مڑ ءَ	(پنوں کے باپ) عالی نے اُس سے کہا
"بیا کہ دیوں سانگے تھرا"	"تمہاری منگنی کرنا چاہتا ہوں"
پنوں ءَ گوشتہ گوریت ءَ	پنوں نے باپ سے کہا
درگیوے مُتی و دروز ءَ	(پہلے) میرا ثانی تلاش کریں

---

(۱) جام عالی۔ پنوں کے والد، کیچ مکران کے حکمران تھے۔ سندھی میں ل اور ر باہم بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ "آری جام" مذکور ہوا ہے۔ جام عالی کا نسب نامہ یوں ہے۔ عالی بن عمر بن بجار ہوت بن جلال خان۔

جن نئیں مس باغیں مکراں
غیرے دگر دیریں دہاں(۱)
پنوں وکیل ء گوشتغ آ
”دے صد سوار کہ من رواں
دیریں دہاں چرخ ء دیاں“
داتئی گشینیں صد سوار
بُرتھئی صفاہاں تاکہ لاڑ
آتکہ مس گنجیں قندہار
دیریں دہے دُرست گولتت
مس باغچیں سندھ ء شتت
شہر ءِ دَف ء اڑ دو گُھتت
تمبو مس بھمبور ء جتت
سسّو گے دیتہ درّ م گوریں
شر لُڈ نے سنگیں پریں
جستے گھتئی کئی دختراِیں؟
جو گوشتہ شہر ءِ مرداں
نے مات داری نے پدر

مکران میں ایسی حسینہ کہاں ہے
البتہ دُور دراز علاقوں میں (ہوگی)
(تب) پنوں کے وکیل نے کہا
”مجھے ایکسو گھڑ سوار دیجئے میں جاکر
دُور دراز علاقوں کا دورہ کروں“
(چنانچہ) اُسے ایکسو چیدہ سوار دیدیئے گئے
وہ اصفہان سے لاڑ تک گھومتا پھرا
شاداب قندہار میں آیا
دُور دراز کے تمام علاقے چھان مارے
وہاں سے باغات کی سرزمین ، سندھ آیا
(ایک) شہر کے سامنے ڈیرے ڈالے
یعنی بھمبور کے شہر میں خیمے نصب کیے
وہاں اُسے زیورات میں لدی سسّی نظر آئی
وہ جو کبک رفتار و باوقار تھی
پوچھا کس کی بیٹی ہے؟
شہر والوں نے بتایا
اسکی نہ ماں ہے نہ باپ

---

(۱) یہ شعر زیبِ داستان کا مظہر ہے۔ جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ کیچ مکران کا شہزادہ پنوں سسّی سے ملنے سے پہلے بھی شادی شدہ تھا۔

کھتری برفتہ ناگہاں
پُھلیں گُذائی شوزغاں
سنسوئے دیتہ ذرم گوریں
و دہاوا مس صندوق ءِ تہ ءَ
زُرتہ دریائی اُچھلاں
شیر مُنتشی موڑ دانغاں
کھتری ءَ گوشتہ گوں جن ءَ
"فرزند ے دات شاہ ءَ من ءَ
دوستے بدار چھو دیذغاں"
سانگ ءَ گُھشہ وَس عالم ءَ
کس ءَ نداتہ ظالم ءَ
ترپتہ وکیل گوُر کھتری ءَ
"یک واجہے اتیں من ءَ
پنوں ءِ نام پیدا ورانت
تھئی جنکھ ءِ مٹ و دَرَو رانت"
کھتری گوشی "نیتیں میار"
شوذا وکیل ءَ کوچ گُھشہ
ماں باچھیں کیچ ءَ گُھشہ !

ایک دھوبی کپڑے دھونے گیا تھا کہ اچانک
کپڑے دھوتے ہوئے
اُسے زیورات سے لدی سسّی مل گئی تھی
جو ایک صندوق میں محو خواب تھی
جسے دریا کی موجیں لئے جارہی تھیں
وہ اپنی انگلیاں چوس رہی تھی
دھوبی نے بیوی سے کہا
خدا نے ہمیں اولاد عطا کردی ہے
اسے آنکھوں کی طرح عزیز رکھو
لوگوں نے اس کے رشتے کیلئے تگ و دو کی
مگر اُس بے لحاظ دھوبی نے کسی کو نہ دیا
(پنوں کا) وکیل دھوبی سے ملا
اُسے بتایا میرا ایک آقا ہے
پنوں کے نام سے مشہور ہے
"تیری بیٹی کے قابل ہے
دھوبی نے کہا ں "مجھے کوئی عذر نہیں
وکیل وہاں سے روانہ ہوا
وہ شاداب کیچ جا پہنچا

نمر پنّوں ءَ معلوم کہتہ !
''بھمبور نیام ءَ یک جن ایں
نام سسّو ایں مہ پیکریں
لعل تھئی نکاح ءِ دروریں !
صدا اُشتر و بغدو ءِ بار
اَژ تھان و زرّاں کرتہ بار
مرد زرتہ نام دار
صد مولدے زُرتہ اوار
سے صد سواریں نیزہ دار
جوانیں سپاہی یک ہزار
نیت پراسانگ ءَ کہتہ
مس باغچیں سندھ ءَ شُتہ
شہر ءِ تہا تمبو جتہ
بھمبور تہ ءَ اڑدو گُتہ
مسک ءِ زوادگدی گھتہ
دات بشترانی مس دف ءَ
دف چھلبو بستھش شف ءَ
صحو کہ کریم ءَ روش گُتہ

پنّوں کو سارا ماجرا کہہ سنایا
''بھمبور میں ایک خاتون ہے
اُس مہہ پیکر کا سسّی نام ہے
یہی حسینہ تیرے نکاح کے قابل ہے
ایک سو بار بردار اُونٹ لئے (پنّوں چلا)
ان اُونٹوں پر کپڑے اور زیوارت لدے تھے
سو نامور اشخاص بھی ہمراہ لئے
سو کنیزیں ساتھ لیں۔
تین سو نیزہ برداروں کے علاوہ
ایک ہزار عمدہ سپاہی لیکر
منگنی کی نیت کر کے چلا
باغوں کی سرزمین سندھ جا پہونچا
(ایک) شہر کے سامنے خیمے نصب کئے
بھمبور میں ڈیرے ڈالدئے
مُشک و عنبر آٹے میں گوندھ کر
(اُس نے) اُونٹوں کو کھلا دیا
رات بھر اُن کے منہ باندھے رکھے
خدا نے جب صبح کا چہرہ دکھایا

دَف اُشترانی بوتکغ آ
زرتھ گلائی اُشتراں
مسک و زواداں بوکھُشہ
ہرکس اژ اے راہ ءَ شُتہ
آں راہے بوءَ جُشہ
بوئے مَن آشہر ءَ شُشہ
سَستو ءَ گوشتہ ہمسراں
''قول ایں ہے مڑد ءَ گراں''
رَپتہ وکیل رَبا لوی!
سانگے کُشہ کھتری سَہی
گوشتئی ''منا نیستیں میار
وارے دنیائی زانگہ باز
بارے بشو د شہر ءِ گُداں
جاگہ بکن گُداں اداں''
گُد دُرست شہر ءِ بڈ جتاں
گُڈا دریا کرّا شُتہ
درتیں گُداں فرزوں کُتہ
ہر یک سرا مُہرے بہ بست

اونٹوں کے مُنہ کھولدیئے گئے
(تب)اونٹوں نے جگالی کرنا شروع کردیا
ہرسو مُشک عنبر کی خوشبو پھیل گئی
جو بھی اس راہ سے گزرا
خوشبو سے اُس کا دماغ معطر ہوا
حتیٰ کہ یہ خوشبو پورے شہر میں پھیل گئی
سَسّی نے اپنی سہیلیوں سے کہا
''میں نے عہد کیا ہے کہ میں اس شخص سے بیاہ کرونگی
(پنّوں کا)وکیل منگنی کا پیام لیکر گیا
دھوبی نے منگنی قبو ل کی
کہنے لگا''مجھے کوئی عذر نہیں ہے
بیشک تم بڑے ہی دولت مند ہو
مگرایک مرتبہ شہر بھر کے کپڑے دھونے ہونگے
جبکہ تم رہوگے بھی یہیں پر''
شہر بھر کے کپڑے جمع کر کے
وہ دریا کے کنارے گیا
سارے کپڑے درست کئے
ہرکپڑے کے ساتھ ایک ایک اشرفی باندھی

داشتت پہ خاوند ءِ دست
آہاں وتی گند کھشتغ انت
اژ پلّو ءَ مہر زرتھغ انت
ہوت پنّوں اش پسند کتگ
ڈُہلاں پہ شادی گُرنتگ
یک ماہے ءَ شادی گھت انت
شوذا وکیل ءَ کوچ گھتہ
مس باگچیں کیچ ءَ شُتہ ءَ
یک پیلویں سالے گذشت
کیچ ءَ پت ءَ کاگد نوشت
پنّوں نیائے مڑے جواں
من نشتغاں دڑد و غماں
وتّے تھہ گوں مہہ کو نترءَ
گوں لعل و یاقوت ءِ برءَ
گوں روش و ماہ ءِ درورءَ
مچے تیار انت کو کراں
آں موصلی گرزیں براں"
گوشتہ کیانی برادر ءَ

اور کپڑے مالکوں کے حوالے کئے
انہوں نے جب کپڑے کھول کر دیکھے
پلو میں بندھی ہوء، اشرفیاں پائیں
تو ہوت پنوں کو پسند کرلیا
شادی کے شادیانے بج اُٹھے
ایک ما، تک شادی کے شادیانے بجتے رہے
تب (پنوں کے) وکیل نے وہاں سے کوچ کیا
وہ شاداب کیچ میں پہونچ گیا
(اسطرح) ایک برس بیت گیا
(پنوں کے) باپ نے کیچ سے خط لکھا
اے جوانمرد پنوں تم کیوں واپس نہیں آتے
میں تمہارے فراق میں نڈھال ہورہا ہوں
اورتم اپنی مہہ پیکر کے ساتھ خوش وخرم ہو
اُس لعل و یاقوت کی پہلو میں
چندے آفتاب و چندے ماہتاب ہے
(یہاں) کھجوریں پک چکی ہیں
موصل کی لمبی لمبی کھجوریں"
(پنوں کے بھائی) کیانی نے کہا

ڈُز بیلی سلطانیں پہ ءَ	جو لباس شاہانہ کا مالک تھا
''اژ سندھ ءَ کاراں آں مڑ ءَ''	(کہ) ''میں اُس جوان کو سندھ سے لاؤں گا''
مہری نیں جلدی لوٹگ	جلدی سے سانڈنی تیار کی گئی
نیت گوں جنید ءَ برتگ	اُس پر رخت و کجاوہ باندھ دیا گیا
نوتیں نوابیں چھُنر ءَ	خوش خوش نواب زادہ چھنر
برز چیگ آں مڑدووءَ	پابہ رکاب ہوئے دو دو کی تعداد میں
وتی نشگی ماں کوفلاں	تزک احتشام سے کجاووں میں بیٹھے
پڑ باغچیں سندھ ءَ شتاں	وہ باغوں کی سرزمین سندھ پہونچے
شہر ءِ تہ ءَ تمبو جتہ	(بھمبور کے) شہر میں پہنچ کر خیمے نصب کئے
سَسُّو ءَ پنّوں لوٹتہ	سَسّی اور پنّوں کی دعوت کی
بیلا شراب واری کتہ	دعوت میں یاروں نے خوب شراب لنڈھائی
گپتہ شراباں کاری ءَ	شراب کے نشے میں دُھت ہوئے
سَسّو اش دیست بسیاری ءَ	جب انہوں نے سَسّی کو مدہوش پایا
پنّوں اِش بستہ مہری ءَ	پنّوں کو سانڈنی پر لادھ چلے
ورتیں شف ءَ ماں تاری ءَ	رات بھر سفر کرتے رہے
جلدی شتت اِلگاری ءَ	نہایت تیز رفتاری سے چلتے رہے
گڈا کہ سَسّو سار گُتہ	(یہاں) جب سَسّی کو ہوش آیا
افسوز و افسوزاں وراں	(پنّوں کو نہ پاکر) نہایت غمگیں ہوئی

بچھو کھتہ مکرانیاں!
بے پنّوں ءَ منی دوست کئے ایں
ہچ کس پُو پنّوں ءَ نہ ایں''
شف بِگشو وقت سحر
دل سسّو ءِ کرتہ مہر
گپت ہشترانی راہ و رند
بنچو گُشہ مثل گرند
سے منزلے برتہ پہ پند
پاد آولہ جاں بیشہ ژند
ویشہ شفانکے ءَ نشاں
انگار ئے گُشتہ ناگمان
لعل ءَ بگوشت پاداں بدار
پہ من یہ تھا سے شیر بیار
سے منزل انت من گنوگاں
نمک خشک انت ومن تشنگاں
یارب من ءَ وت دربر
غورش تھوے مادر پدر
مارا مدے بردست ایں!

اہل مکران نے یہ کیا کیا؟
پنّوں کے علاوہ میرا دوست کون ہے؟
پنّوں کے سوا میرا کوئی ہمدم نہیں''
رات گزری، صبح ہوئی
سسّی کے دل میں محبت نے جوش مارا
وہ اُونٹوں کے قدموں کے نشانات پر چل پڑی
وہ بجلی کی سی سرعت سے چلی
اس طرح پاپیادہ تین منزلیں طے کیں
پیروں کے تلوے آبلہ جسم نڈھال
ایک چرواہے کی اُس پر نظر پڑی
اور اُسکی طرف لپکا
اُس مہ لقانے کہا ''رُک جاؤ''
جاؤ مرے لئے ایک کٹورہ دودھ لاؤ
تین منزلوں سے میں بھوکی ہوں
چرواہا دوڑ کر گیا
(اور سسّی نے دُعا کی) بارالہٰ! میری رکھوالی فرما
تو ہی فریاد رس اور ماں باپ ہے
مجھے اسکے ہاتھ میں نہ دے

ناسرپدیں جٹے لعین
تل گپتغ آ خشکیں ڈگار
ستو شہ او بیتہ گار
کرتہ شفانک ءَ ہوش و سار
گوشتئی کہ بیتہ تہ ڈغار ؟
گڈا کہ پنّوں سار گھشہ
زہر گپتغ و الگار گھشہ
بیزار اچ براتاں گھشہ
برباغچیں سندھ ءَ شُتہ
دیتئی ہما کوہی شفانک
پھٹی زمین ءَ کھشی جاک
گوشت پنّوں ءَ چے تئی دھیان
گوشتہ شفانک ءَ چے در ءَ
آتکہ جنے یک ، مے گورءَ
چوماہ و روش ءِ ذر وزَ ءَ
نے پرّو بازل کونتر ءَ
نے سوار بر اسپ ءِ سرءَ
آتنگ پری بے نوکر ءَ

یہ بیوقوف ملعون اور گنوار ہے
زمین شق ہوئی
سُستی اسمیں سما گئی
جب چرواہے کو ہوش آیا
وہ حیران ہوا کیا اُسے زمین نگل گئی
دوسری طرف پنوں ہوش میں آیا
وہ بہت ہی خفا ہو اور دوڑ پڑا!
بھائیوں سے اُنے بیزاری کا اظہار کیا
باغوں کی سرزمین سندھ کی جانب چلدیا
راستے میں اُنے اُس پہاڑی چرواہے کو دیکھا
جوزمین کھودکھود کر مٹی باہر نکال رہاتھا
پنوں نے پوچھا "یہ تم کیا کررہے ہو؟
چرواہا بولا اس سمت سے
ایک عورت یہاں آئی تھی
جو چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھی
ہرچندے کہ اُس حور شمائل کے پر نہ تھے
نہ ہی وہ گھوڑے پر سوار آئی تھی
کوئی خادم بھی ساتھ نہیں تھا

آنگاں گراں نیلوفر ءَ
پرُشتہ زمین لعل اریشتہ
من کھڈ جناں چنی نشاں
دپر دانغیں لعل ءَ گھشاں
رنگ اش تھہ دیت من پے گھشاں
پنوں بگوشتہ یا خُدا
جان و سرم پر تو فدا
مارا مکن لعل ءَ جُدا
پنوں دعا بوت مستجا
پرُشتہ زمین پنوں شُنگ
سسوئے امبازاں کنگ
رپت گوں گل ءِ ہمراہی ءَ
دست ماں گورواںبازی ءَ
بیتغت ہر دو راضی ءَ
اژ ہر کس ءَ بے نیازی ءَ

میں نے چاہا کہ نیلوفر کو پکڑلوں
زمین شق ہوئی وہ سمٹا گئی
میں اسکے دوپٹی کی نشانی پہ کھود رہا ہوں
تاکہ اُس گوہر نایاب کو حاصل کروں
اُسکی صورت کا شکہ آپ نے دیکھی ہوتی
پنوں نے (دُعا کی) بار اِلٰہ
میرجان تجھ پہ نثار
مجھے میرے محبوب سے جُدا نہ کر
پنوں کی دُعا مقبول ہوئی
زمین شق ہوئی پنوں اسمیں سما گیا
اور سسی کو اپنی آغوش میں لے لیا
وہ اپنے محبوب کی ہمراہی میں گیا
باہوں میں باہیں ڈال کر
دونوں کی مرادیں بھر آئیں
اور وہ سب سے بے نیاز ہوگئے

بلوچی کی یہ طویل نظم سسی پنوں کے معاشقے کی تمام جزئیات پر روشنی ڈالتی ہے۔ اسمیں وہ کردار اور واقعات موجود ملتے ہیں جو اس داستان پر تحقیقی کتاب لکھتے ہوئے پاکستان کی مایہ ناز مورخ اور اسکالر ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے مختلف مقامات وعنوانات سے

تحت بیان فرمائے ہیں۔ پنّوں کے والد، اُس کے بھائیوں سے دو ایک کے نام، سَسّی کے اصل والدین اور لے پالک ماں باپ کا بھی صحیح طور پر مذکور ہوا ہے البتہ نظم کے خالق کا نام قدیم بلوچ شعرا کی طرح اس نظم میں بھی نہیں ملتا نہ ہی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سَسّی پنّوں کا واقعہ کس زمانے کا ہے اور نظم کی تالیف کب ہوئی۔ ان تمام تحقیقی امور کیلئے یہاں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی کتاب ''سَسّی پنّوں'' کے سندھی تذکرے سے شکریہ کے ساتھ استفاضہ کیا گیا ہے تاہم یہاں یہ حوالہ دینا غیر ضروری نہ ہوگا کہ چند سال قبل پسنی کے جناب اکرم صاحب خان نے ایک بلوچی کتاب ''یات سوگات'' کے نام سے مرتب کی ہے اسمیں سَسّی پنّوں کے قصّے پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے گو کہ اسمیں کرداروں کے تقریباً وہی نام دیئے گئے ہیں جو پاکستان میں تیار کی گئی ایک اردو فلم ''سَسّی'' میں دھوبی سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ایہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ

''پنّوں کیچ مکران کا شہزادہ تھا۔ باپ بچپن میں ہی وفات پا گیا تھا پنّوں کی تربیت ماں نے کی تھی۔ پنّوں کے دو بھائی تھے جنکے نام تھے عمر۔ تمرا''

سَسّی پنّوں کی کہانی کا اختصار سے بیان میر عبدالرحمٰن غور مرحوم کی کتاب ''نغمہ کوہسار'' میں بھی ہوا ہے۔ تاہم اسمیں بھی تحقیق کی چاشنی نہیں ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو ''یات سوگات'' صفحہ نمبر ۱۲۹، نمبر ۱۳۴

جدید تحقیق کے مطابق پنّوں کے والد کا نام جام عالی، والدہ کا نام عُلی، بھائیوں کے نام پنّوں یا پُنھّر، ہوتو، نوتو، لالہ، ببر اور جکر ہیں۔

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی تحقیق

پاکستان کے مایہ ناز اسکالر ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سے ''سسّی پنوں'' کے عنوان سے سندھی میں پانچ سو صفحات سے بھی ضخیم کتاب ۱۹۷۶ میں شائع کرائی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ ڈاکٹر بلوچ نے سندھ اور پنجاب کے مختلف علاقوں میں سسّی پنوں کی داستان کے راویوں اور طبع شدہ کتب و مخطوطات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اُن شعراء کی طویل منظوعات کا بھی احاطہ کیا ہے جنہوں نے اس تاریخی قصے کو نظم کیا ہے۔ انگریز مستشرقین نے اس سلسلے میں جو کام کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اُن کا بھی تقابلی تذکرہ اپنی کتاب میں شامل فرمایا ہے کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے تحقیقی تقاضوں کے تحت مختلف واقعات و کرداروں پر تنقید بھی فرمائی ہے۔ جس سے قصے کی صورت واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ سسّی پنوں کی داستان کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب سے بھر پور استفاضہ ہر چند کہ دوسری داستانوں سے اسے کچھ طوالت دیتا ہے لیکن اسکی اہمیت کے پیش نظر اس طوالت کو قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔ تاہم مختلف عنوانات کے تحت بیان کردہ مفاہیم کو داستان کی ضرورت کے مطابق اختصار سے بیان کیا جائے گا۔

قصے کی قدامت

ڈاکٹر بلوچ لکھتے ہیں۔

''سندھ کی قدیم روایت کے مطابق اس داستان کے تعلق دلوارے کے عہد

سے ہے تحفتہ الکرام میں بھی اس واقعے کو دلوارئے کے زمانے کا بتایا گیا ہے۔ مخدوم عارف کلہوڑہ کے کلام میں مذکور ہے کہ ''دور تھا دلوارئے کا ہوئی حقیقت یوں'' مثنوی نگزار واصل کے مصنف نے بھی اسی روایت کو اپنایا ہے کہ یہ قصہ دلورائے کے عہد کا ہے۔ تاہم دلوارئے کے دور کا تاریخی اعتبار سے ابتک تعین نہیں ہوسکا ہے۔ ہماری رائے میں عرب دور کے آخر میں دلورائے پہلا مشہور حکمران گزرا ہے۔ جو ایک مدبر اور دانا حکمران رہا ہے اس کے زمانے کے کارنامے مشہور ہیں یہ اغلب ہے کہ پانچوں صدی ھجری (گیارہوں صدی عیسوی) کا زمانہ تھا جب سَسّی پنوں کی یہ داستان محبت وقوع پذیر ہوئی سندھ کے عوامی شعراء نے بھی اس قصے کی ابتدا دانا دلورائے کے دور کی بتائی ہے۔

کرداروں کا تعارف

اس قصے کے کرداروں میں سَسّی کے ماں باپ، سَسّی نے جن کے ہاں پرورش پائی، آری جام (جام عالی) شہزادہ پنوں، بابیہہ (پنوں کے مختار کار) سہجان، پنوں کے بھائی اور آخر ملنے والے چرواہے کے نام قابل ذکر ہیں۔

سَسّی کے ماں باپ

سندھ کی مشہور عام روایت کے مطابق سَسّی کے (حقیقی) ماں باپ سیہون کے رہنے والے تھے۔ جبکہ ''مثنوی گلزار واصل'' کے مصنف نے انہیں ''بھنبھور'' کا بتایا ہے یہ بھاولپور کے علاقے میں ہے محمد واصل درس نے اس روایت میں سَسّی کے باپ کا نام ناؤن لکھا ہے۔ تحفتہ الکرم میں یہ نام ''نانیہ'' ہے جو صورت خطی کی غلطی ہے۔ تحفتہ الکرام میں سَسّی کے ماں کا نام ''مندر'' لکھا گیا ہے۔ جبکہ سندھ کے دانشوروں کے

نزدیک یہ نامتر ہے۔

''تعریف کے قابل ہے حقیقی مالک جو ہمیشہ سے قائم ہے اُسی نے خامہ ازلی سے اپنی مشیت رقم فرائی دلورائے حکمران اور مسند کا مالک تھا۔

تب ''ڈاسی'' نے اس علاقے میں اپنے بیٹے کا بیاہ رچایا چنانچہ ''متر'' ''نائین'' ایک رشتے میں منسلک ہوئے اس شادی کے نتیجے میں برہمن کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی نجومیوں نے زائچہ دیکھا اور بتایا کہ

اس کے طالع میں بلوچ لکھا ہوا ہے'' (ترجمہ مفہوم)

سَسّی کے نام کی وجہ تسمیہ چاند ہے۔

تحفۃ الکرام میں سسی کے معنی اعراب لگانے سے سندھ کی روایت کے علی الرغم ہو جاتے ہیں۔ اصل لفظ سسی ہے۔

مثنوی گلزار واصل کے مطابق سَسّی کو بھٹا واھن کے قریب پنجاب کی کسی ندی میں بہا دیا گیا تھا یہ صندوق بھنبھور کے بجائے سہوان میں محمد نامی دھوبی نے نکالی تھی یہ محمد بعد میں سہوان سے اُٹھ کر بھنبھور میں آ کر بس گیا تھا۔ جب کہ سندھ کی مشہور روایات کے مطابق سَسّی کے ماں باپ نے اُسے سہوان کے قریب دریا میں بہا دیا تھا بھنبھور کے پاس دھوبی نے یہ صندوق پانی سے نکالی تھی ان دنوں سہوان سے لیکر بھنبھور تک دریا کی چوڑائی کتنی ہوگی یہ کہنا مشکل ہے تاہم دریا کی گزرگاہ بدلنے سے خرابے کی وسعت قابل لحاظ ہے۔ دھوبی کا نام محمد، محمود، اسکی بیوی کا نام زینب موثق ہے۔

پنوّں کا نام ونسب

سندھ کی مشہور روایت کی رُو سے پنوّں کیچ مکران کا شہزادہ اور کیچ کے حاکم آری (عالی) کا بیٹا تھا۔ تحفتہ الکرام کی روایت میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ اس لئے پنوّں کو آریانی (عالیانی) بھی کہا گیا ہے۔ مثلاً پنوّں کا ذکر کرتے ہوئے سسّی کہتی ہے۔

پنوّں کا پرتو جیسے بادلوں میں سورج جھانک رہا ہو
عالیانی پنوّں کے آیئے آپ کو نشان بتاؤں
بادلوں کے کناروں سے جیسے سورج جھانک رہا ہو

ہوت

جام عالی اور اُسکے بیٹوں کو بلوچ، جت اور ہوت کے ناموں سے بھی پکارا گیا ہے۔ ہر چند کہ بلوچ اور جت قبائلی اور سماجی لحاظ سے الگ الگ معنوں میں آجکل محسوب ہیں۔ مگر قدیم تاریخ میں ایک ہیں۔ وہ بلوچ قبیلے جو سب سے پہلے ہجرت کر کے بلوچستان اور سندھ کی طرف آئے اور مقامی لوگوں سے رشتے ناطے کر کے یہیں کے ہو رہے انہیں جت کہا گیا ہے چونکہ جت بنیادی طور پر بلوچ نسل سے تھے۔ اسلئے سندھ کی قدیم روایت کی رُو سے انہیں بھی بلوچ کہا گیا گویا جت اور بلوچ ہم معنی الفاظ ٹھہرے۔ ہوت بلوچوں کا ایک ممتاز قبیلہ ہے جو جدّ اعلیٰ کے زمانے ہی سے ہوت کے نام کا حامل چلا آیا ہے۔ چونکہ ہر ہوت بلوچ ہوتا ہے۔ اسلئے اس داستان میں بھی ہوت، ہوتا اور بلوچ بطور ہمنام مستعمل رہے یعنی ہوت اور بلوچ میں کوئی فرق نہیں۔

پنوّں کو جت، بلوچ، ہوت، کیچ کا مالک، کوہیار و اور آباڑھی کا بلوچ کہا گیا ہے۔ یہ نام سب کے سب نسبی نہیں ہیں۔ بلکہ مقامیت کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ پنوّں

اور اُسکے قافلے کے لوگ کیچی تھے۔ یہ مکران میں کیچ کے پرگنے سے تعلق رکھتے تھے۔ پنوں کیچ کا مالک تھا۔ اسلئے کہ وہ کیچ پر حکمران تھا۔ کوہیار یعنی خضدار کا باسی مقامی طور پر سندھ کے لوگ، کوہستان اور لسبیلے کے باشندے قدیم الایام میں خضدار کو کوھیار کہتے آئے ہیں یہ بلوچستان کا ایک اہم شہر ہے۔ بلوچوں کا ایک تاریخی مقام ہے۔ اسلئے اصطلاحاً پنوں کو بھی کوہیار و کہا گیا ہے۔ اسی طرح ہاڑھی کا کوہستانی علاقہ موجودہ لسبیلہ کے ضلع میں ہے۔ قدیم زمانے میں یہ بلوچوں کا مسکن رہا ہے اور اب تک انگا ریہ (کلمتی) اور گیدور قبیلوں کا علاقہ ہے۔ اصطلاحاً ہاڑھی کا بلوچ بلوچستان کا یا بلوچوں کے علاقے کا بلوچ سمجھا جاتا ہے۔

تاریخی اعتبار سے بلوچ قبیلہ ہوت، بلوچوں کے درمیانی دور ہجرت سے متعلق ہے۔ یہ ہجرت دسویں صدی عیسوی کے اواخر اور گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل تک جاری رہی۔ اس ہجرت کے بعد سے ہی خطہ بلوچستان کے اہم بلوچ قبیلے الگ الگ ناموں سے متعارف ہوئے بلوچوں کے نسب نامے کے مطابق رند، لاشار، ہوت وغیرہ (سردار) جلال خان کے بیٹے تھے رند اور لاشار کے اولاد پندرھویں صدی عیسوی میں مکران سے نقل مکانی کرتے ہوئے قلات کی جانب بڑھی جہاں اپنی حکومت قائم کی بعدازاں آگے بڑھکر رند قبیلے نے سبّی میں اور لاشار قبیلے نے گنداوہ میں اپنی اپنی ریاستیں قائم کیں۔ ہوت قبیلے کی ریاست مکران ہی میں قائم رہی اور بلوچستان کا پورا ساحلی علاقہ زیرنگیں رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ہوت قبیلہ بھی الگ الگ شاخوں میں منقسم ہوا جن میں کلمتی، چانڈیا وغیرہ بڑے قبیلے بن گئے۔ کلمتی پر یہ نام اسلئے پڑا کہ اُس نے کلمت کا علاقہ بسایا۔ سولہویں صدی میں ہوت کے اس ریاست کے حکمران ملک حمل ہوئے

انہوں نے بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں حملہ آور پرتگیزوں کے بحری حملوں کا مقابلہ کیا تھا اور اُسمیں کامیابیاں بھی حاصل کی تھیں۔ تاہم ایک بحری مقابلے میں ملک حمل نے شکست کھائی، پرتگیز انہیں گرفتار کر کے لے گئے۔ ملک حمل کے والد کا نام جنیندا تھا جو اپنے وقت میں اس ریاست کا حکمران رہا۔ بہرحال یہ زمانہ پندرھویں صدی عیسوی کے آخر اور سولہویں صدی عیسوی کا ابتدائی دور تھا۔ اس زمانے میں ملیر اور ساکرہ تک کلمتی کی آبادی بڑھی اور انہوں نے سندھ کے ساحلی علاقے پر بھی تسلط جمایا ۱۱۰۳ھ ۱۶۹۱ء عیسوی میں اورنگ زیب کے عہد میں ملیر اور ساکرہ کے کلمتی سرداروں ملک بجار اور ببر کو ملک کے خطابات عطا ہوئے جاگیریں پائیں۔ بعد میں بھی سندھ کے جاگیرداروں میں اُن کا درجہ اول رہا۔[۲]

آج سے لیکر گزشتہ پانچ سو سالوں تک ہوت سرکردہ سرداروں کے بارے میں تحریری معلومات دستیاب ہیں۔ البتہ اس سے آگے کی تاریخ اب تک تحقیق طلب ہے۔ جام عالی اور پنوں اگر ہوت ریاست کے حکمران رہے ہیں تو یہ دور ملک حمل سے پہلے کا ہوگا اس دور سابق میں بلوچستان کی اندرونی تاریخ پر تحقیق کرتے ہوئے ہمیں صرف ایک قلمی کتاب (کیچ نامہ) فارسی کا دستیاب ہوا ہے۔ جسکا قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں (۱۶۶۰) موجود ہے یہ کتاب کمالاں بن میر ہاشم گچکی نے ۱۲۸۳ھ میں ایک انگریز آفیسر

---

(۱) سردار حمل کی بہادری پر اور پرتگیزوں کے ہاتھوں گرفتاری پر اُسکی بہن نے ایک ''زہیرونک'' نظم کی تھی اسکے چند ایک ابیات ہم نے (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے) بلوچستان میں معلومات کرتے ہوئے ''قلمبند کئے اسکے علاوہ ہوتمان (عثمان) کے قصیدے میں (جو کلکتہ میں شائع ہوا) بھی اس دور کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

(۲) ملاحظہ فرمائیں صوبہ سندھ میں جاگیروں کی تاریخ جلد دوم، صفحہ ۳۱۔۳۲ کمشنر پریس کراچی ۱۸۸۸ء

History of Alination in the province of Sinal vol-II Karachi 1888.-

کے حکم سے لکھی[1] تاہم اسمیں بعد میں پیش آنے والے تاریخی واقعات مذکور ہیں اور ہوت ریاست یا عالی اور پنوں کا تذکرہ نہیں ملتا۔ بنابریں ہم نے سندھ میں ساکرہ بھنبھور اور ملیر کے علاقوں کے کلمتی اور دوسرے ہوت قبیلہ کے سرکردہ افراد سے معلومات حاصل کیں اس جستجو کے دوران ۱۹۵۶ء میں ملیر کے ایک سالخوردہ بلوچ حاجی شاہ علی[2] (اُن دنوں اُنکی عمر ۷۶ سال تھی) سے اس بارے میں معلوم کیا۔ اس کی روایت کے مطابق بڑے سردار عالی کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ ''عالی بن عمر۔ بن بجار بن ہوت بن جلال خان۔'' حاجی شاہ علی کی روایت کے مطابق سردار عالی کے دور کو تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال ہوگزرے ہیں۔ وادی کیچ میں پنوں کی میری (قلعہ) کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ جام عالی کے بیٹوں میں نوتک، چنزو، پنوں سمیت سات اولادیں تھیں۔ ہوت کی اولاد میں بعدازاں نوت ہوئے جو کلمت ندی پر اُٹھ آئے اس نسبت سے کلمتی کہلائے حاجی شاہ علی کی روایت کے علاوہ دوسرے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جام عالی کے بیٹے لالہ کی اولاد سے ایک چھوٹا قبیلہ موجود ہے۔ عالی کے ایک دوسرے بیٹے ببر کی اولادیں قبیلہ ببر بلوچ ہیں۔

---

(۱) کمالاں لچکی کا یہ مخطوطہ حال ہی میں ''کتاب لفظ بلوچی'' کے نام سے بلوچی اکیڈیمی کوئٹہ نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب کرنل ایس۔ بی مائلز نے ۱۴ اگست ۱۸۸۵ء میں برٹش میوزیم لندن کو پیش کی تھی اس کا نمبر او۔ آر ۲۹۲۱ ہے۔ کتاب کرنل میل کے نام سے منسوب ہوئی ہے۔ اغلب ہے کہ یہ وہی انگریز آفیسر ہوں گے۔ جن کے حکم سے کتاب لکھی گئی۔

(۲) حاجی شاہ علی کے مطابق شجرہ نسب شاہ علی بن میانداد۔ بن تنگئی بن شیران بن افضل بن داد شہ بن چاکر بن کابڑی (کھمڑی) بن شاہو بن مرید بن مندو بن جناب (جلب) بن ہال بن ھدی بن نوت۔

پنوّں کے قافلے کا راستہ

وادی کیچ سے سندھ کی طرف جو راستے قابل گزر تھے اُن میں دو قسمیں تھیں۔ ایک وہ راستہ جو شمال کی جانب سے چلکر خضدار وہاں سے گنداوہ کی جانب جاؤ کے لک سے بیلہ کی طرف آتا ہے۔ دوسرا جنوب میں ساحل کے ساتھ ساتھ چلکر حب اور کراچی کے قریب سندھ میں داخل ہوتا ہے۔ آج تک یہی دو راستے ہی ذریعہ آمدورفت ہیں۔ سندھ میں موجود سَسّی پنوّں کی روایت کے مطابق موخرالذکر راستہ سندھ تک پہنچنے کیلئے اختیار کیا گیا یہ راستہ پسنی، اورماڑہ گدور (ھنگول) ندی میں ولپٹ کے قریب بلند ہوکر گورندی عبور کر کے ہاڑھی پہاڑ کے جنوب کے لک سے گزرتا ہے۔ ہاڑھی کے قریب میں مرتفع شامل ہے۔ مغرب میں لیاری کے شہر تک پھیلی ہے۔ ہاڑھی پہاڑ کا لک اس راسے کا اہم ترین نشان ہے پنوں اسی راستے سے آیا تب ہی اُسے ''ہاڑھی کی طرف کا ہوت بلوچ'' کہا گیا ہے۔

سسی تعاقب میں

سَسّی کس راستے سے پنوّں کے پیچھے گئی اور سَسّی نے کتنا سفر کیا جب اسے جنگلی چرواہا مل گیا تھا اس بارے میں محققین نے کچھ زیادہ تہہ میں اترنے کی کوشش نہیں کی ہے لیکن ہم نے خود علاقے میں جا کر تحقیقات کی ہیں اسکی روشنی میں اس پہلو پر بھی کچھ رروشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ سندھ اور لس بیلہ کی اپنی روایات کے مطابق سَسّی کی تربت ''بوٹی'' کی بلندی کے دوسری جانب ''سنگھر'' کے راستے میں پڑتی ہے۔ بھنبھور سے سنگھر کی جانب جانے والے راستے میں ملیر، حب ندی آتے ہیں۔ حب کا ذکر شعراء

کے کلام میں یوں ملتا ہے۔ مثال کے طور پر مبین شاہ عنایت کہتے ہیں۔

روجھن گیڑی رات، ہوت پُچندی حب میں

اسی طرح ملیر کا ذکر ملتا ہے۔

اوپر ملیر کی ندی میں، میں نے مویشی (چرتے) دیکھے۔

خلیفہ نبی بخش پہلا شاعر ہے جس نے (غالباً علاقے کا معائنہ کرنے کے بعد) اپنی مثنوی میں سسّی کے راستے کا کچھ اتا پتہ دیا ہے۔ آخر میں انہوں نے سنگھر کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے بیان کے مطابق سسّی بھنبھور سے چلی، سب سے پہلے ملیر پہونچی۔ ملیر سے آگے وہ کسی شمالی پہاڑ کی بلندی پر چڑھی۔ اسکے بعد حب ندی عبور کی اور نس بیلہ کے علاقے میں پہونچ گئی۔ یہاں پہونچکر (اونٹوں کے) قدموں کے نشان تلاش کئے اور پھر پلٹ کر قدموں کے نشانات پر ہولی یہ سنگھر کا علاقہ ہی تھا جہاں سے قدموں کے نشانات پائے یہیں پر اسکی چرواہے سے مدبھیڑ ہوئی۔

میر علی شیر قانع "تحفتہ الکرام" میں بیان کرتے ہیں کہ "سسّی نے کل چالیس کوس سفر کیا تھا۔ علاقے کے حساب سے اس وقت بھنبھور سے سنگھر تک ایک راستہ اس طرح جاتا ہے۔

بھنبھور سے ونجی	۵ میل
پیر ضیاء محمد کا گاؤں	۱۶ میل
منگھو پیر	۲۲ میل
ونگی	۶ میل
حسن پیر	۶ میل

بھوتی کا ناکہ	۱۲ میل
پہلا سنگھر	۳ میل
دوسرا سنگھر	۳ میل
مُنبھار کا نالہ	۲ میل
کُل	۷۵ میل

متفرقات

سَسّی پُنوں کی داستان میں چند روائتیں متفق الیہ ہیں۔ مثال کے طور پر پُنوں کے بھائیوں کا جام عالی کے حکم سے بھنبھور وارد ہونا، پُنوں کو دھوکے سے نشہ پلا کر اٹھا لینا اور سَسّی کا صورتحال سے واقف ہونے پر پُنوں کے تعاقب میں جانا، راستے میں سفر کی صعوبتوں سے نڈھال ہونا، چرواہے کا راستے میں مل جانا اور سَسّی کا اپنی عزت بچانے کے لئے دُعا کر کے زمین میں سما جانا وغیرہ تاہم چند ایک روائتوں میں بتایا گیا ہے کہ پُنوں تقریباً چار ماہ تک جام عالی کے حکم سے قید میں رہا۔ صورت خواہ کچھ ہو پُنوں راستے میں یا کیچ پہونچکر وہاں کے ناموافق حالت سے جونہی نجات پاتا ہے وہ بھنبھور کی راہ لیتا ہے اور اس مقام پر پہونچ جاتا ہے جہاں سَسّی زمین میں سما گئی تھی اور وہ چرواہا اپنی قبیح حرکت پر نادم ہو کر سَسّی کی قبر پر مجاور بن بیٹھا تھا۔ اس چرواہے کے بارے میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے بعد تحقیق لکھی ہے کہ یہ چرواہا ذات کا ''موندر'' تھا اور موندر ذات کے لوگ اب تک اس علاقے میں بکثرت سکونت پزیر ہیں جہاں سَسّی پُنوں کا مشترکہ مرقد ہے۔[1]

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے سسئی پنوں کے عشق حقیقی کو وجہ کرامت بیان کرتے ہوئے ایسے واقعات بھی لکھے ہیں جب مختلف علاقوں سے اہل دل اور صاحب عرفان بزرگ اس قبر پر حاضر ہوئے یہاں چلہ کھینچا باوجود سنسان مقام ہونے کے انہیں دعوت غیبی ملی اور انہوں نے سسئی پنوں کا دیدار بھی کیا۔ ان بزرگوں میں حضرت محمد اسماعیل ملتانی جن کا زمانہ محمد شاہ بادشاہ سے پہلے کا ہے گویا دو ڈھائی سو سال اس وقتے پر گزرے ہیں جب آپ اُس جگہ چلہ کش ہوئے۔ تین روزہ فاقے کے بعد ایک بڑھیا کھانے کو کچھ لائی مگر آپ نے روزہ افطار نہیں کیا اور کہا جب تک سسئی پنوں کا دیدار نہ ہوگا کچھ نہیں کھاؤں گا۔ اُس بڑھیا نے بتایا سسئی تو میں خود ہوں پنوں کی بات جانے دیجئے۔ زمانے پر اعتبار نہیں رہا ہے مگر اُس بزرگ کے اصرار پر سسئی اپنے اصل روپ میں ظاہر ہوئی اور پنوں بھی اُس کے قریب ہی کھڑا تھا مگر اس طرح کہ سسئی کے ہاتھ اُسکی کمر کے گرد لپٹے ہوئے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی فریب دیکر اُس کا محبوب اُس سے چھین جائے۔ آج سے سو سال پہلے ۱۸۸۲ء (سن ۱۲۹۹ھ) میں جب محمد واصل درس نے اپنی مثنوی ''گلزار واصل'' لکھی سسئی پنوں کا انہوں نے بھی دیدار کیا۔

کہتے ہیں سسئی پنوں کی قبر جس علاقے میں ہے وہاں ایک خاص فاصلے تک اونٹ کا داخلہ ممنوع ہے۔ اگر کوئی اونٹ قبر کی طرف لیجانے پر اصرار کرے تو اونٹ اور اسکے مالک کو نقصان پونچھتا ہے۔

---

(۱) تاہم موندرہ ذات کے لوگ مارے شرم کے سسئی پنوں کے مرقد پر نہیں جاسکتے تھگ وموندرہ بچارنہ۔ سندھ وسوہوں سرداری۔

حَمّل وماہ گنج

حَمل بلوچستان کی ایک قابل فخر تاریخی شخصیت گزری ہے جس میں وہ تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے جو کسی بھی شخص کو قومی ہیرو کا مقام بخشتے ہیں۔ حمل کی دلیری اور بے خوفی، اسکی وطن سے محبت، اسکی قوم پرستی، آزادی سے حمل کی محبت، حسن سیرت کیساتھ صورت وباذوقی آج تک بلوچستان بھر میں ضرب المثل چلی آتی ہے۔

نام ونسب

میر حمل سردار جنید خان ہوت کا بیٹا تھا۔ ہوت بلوچوں کا معروف قبیلہ ہے۔ گزشتہ صفحات میں تاریخی اعتبار سے یہ بیان ملتا ہے کہ بلوچوں کے جدّ اعلیٰ سردار جلال خان کے بیٹوں میں رند، لاشار، ہوت کے نام بعد میں قبیلوں کی نسبت بنے۔ سردار جلال خان کا سال وسن اگرچہ محقق نہیں ہم تاہم تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ رند لاشار وغیرہ قبائل پندرھویں صدی عیسوی میں مکران سے نئی جگائیں، نئے شہر بسانے نکل کر قلات کی طرف بڑھے قلات کی تسخیر کے بعد وہ الگ الگ راستوں سے یعنی مولا اور بولان سے کچھی اور سبی کے وسیع علاقوں میں پھیلے قابض ہوئے جہاں تقریباً نصف صدی انکی حکمرانی اور عملداری رہی۔ تاہم ہوت قبیلہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مکران ہی میں رہ پڑا اس قبیلے میں وقت کے ساتھ ساتھ ذیلی قبیلے پیدا ہوئے جنہیں کلمتی، چانڈیا وغیرہ ناموں سے جانا جاتا ہے۔ حمل جنید کلمتی پاڑے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد سردار جنید خان کلمت اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں پر حکمران تھے۔

ا۔ کلمتیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ رند ہیں۔ تاہم اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔

میر گل خان نصیر کی رائے

بلوچستان کے نامور مؤرخ و محقق میر گل خان نصیر اپنی کتاب ''بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی'' میں لکھتے ہیں کہ ''ہوت بلوچوں کا طائفہ ابتدائی دور میں بلوچستان کے ساحل پر کلمت کی بندرگاہ اور نواحی علاقوں میں آباد تھا۔ اسی مناسبت سے کلمتی کہلایا۔ کلمت کی بندرگاہ کا تذکرہ یونان کے مشہور مؤرخ ہیروڈوٹس کی تاریخ میں ملتا ہے ہندوستان سے واپسی پر بابل جاتے ہوئے سکندر اعظم کلمت سے گزرے تھے جہاں اسے پانی کی شدید قلت کا سامنا ہوا تھا۔ بعض لوگ ہت کو یونانی نام ہورسشی کی بگڑی ہوئی صورت کہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ ہوت ان یونانیوں کی باقیات ہیں جو سکندر کی سپاہ سے کٹکر اس علاقے میں رہ پڑے اور ساحل کے ساتھ ساتھ آباد ہوئے''

وطن پرست ہیرو

حمل جئیند کو اپنے مادر وطن کا غیر ملکی دشمنوں سے دفاع کرنے کے تاریخی کارناموں نے شہرت دوام بخشی ہے۔ حمل جئیند کے بارے میں وثوق سے کہا جاتا ہے کہ وہ پندرہویں صدی میں بلوچستان کے طویل ساحلی علاقوں کا حکمران تھا۔ جب بحیرۂ عرب اور خلیج فارس میں پرتگیز قزاقوں کی جنگی کشتیاں بادبان اٹھائے پھرتی تھیں بلوچستان کے ساحل پر جیونی، گوادر، پسنی اور اور ماڑہ اور سون میانی کی بندرگاہوں پر انہوں نے متعدد حملے کئے۔ ان پے در پے حملوں میں انہوں نے شہروں کو لوٹا اور آگ لگادی۔[1]

1۔ پرتگیزوں نے سولھویں صدی کے آخر میں ۱۵۸۱ء میں پسنی کے شہر کو نذر آتش کر دیا تھا۔ لوئیز ڈی آلمیڈا اپنی کتاب جلد دوم میں لکھتے ہیں بالآخر حمل جئیند ایک بحری جنگ میں پرتگیزیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ انکی موت کے بعد کلمتیوں نے کیچ کے گچکیوں کا اقتدار قبول کیا تھا۔ میر بشیر احمد بلوچ نے یہ سن ۱۵۸۴ لکھا ہے۔

جن دنوں پرتگیزوں نے بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں ادو ھگمن، بچار کھی تھی سردار حمل جئیند ساحلی علاقے کے بلوچوں کا سب سے بڑا سردار تھا۔ اسکی کشتیاں تجارت کے غرض سے زنجبار، عدن اور بصرہ وغیرہ بندرات تک آتی جاتی رہتیں اپنے علاقے کو دشمن (فرنگی) چیرہ دستیوں سے بچانے کے لئے سردار حمل جئیند وطن کے دفاع کے لئے کمر بستہ ہوا۔ اُس نے مقامی طور پر کشتیوں کا یاک بیڑہ تیار کیا اور ساحل بلوچستان کو پرتگیزوں سے جاک کرنے کے لئے دُور دُور تاک سمندر میں اُنکی تاک میں رہا۔ بار ہا پرتگیشوں سے سردار حمل کے مقابلے ہوئے اور ہر بار پرتگیزیوں کو شرمناک شکستیں دیں، اُن کی توپیں چھیں لیں ایسی ایک توپ اب تک گوادرک بندرگاہ میں پری ہے۔ پرتگیزیوں کے بہت سے آدمی گرفتار کیئے۔ پرتگیزیوں نے اپنی فرنگیانہ سرشت کے مطبق میر حمل جئیند سے نعد میں سلح کر لی مگر ہودر پردہ شرات سے باز نہیں آئے اور عہد و مواعید کی خلاف ورزیاں کرتے رہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اچانک حملہ کیا میر حمل کو جو ایک کشتی میں جا رہا تھا گرفتار کیا اور اپنے ہمراہ لے گئے۔[۲]

حمل جئیند کے مقابلوں، محاربوں پر متعدد نظمیں گواہ ہیں۔ ایک بیان کے مطابق اُنکی گرفتاری پر حمل کی بہن نے ایک زہیروک (فراقیہ نظم) موزوں کی اس نظم کو ترجمے کے ساتھ یہاں درج کرنا اس واقعے کو سمجھنے میں مددگار ہوگا جبکہ اسے ہوتمان (عثمان) کی نظم بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ یہ واقعہ مندرجہ بالا سطور میں بیان کردہ حوالے سے زیادہ معتبر ہے کہ حمل جئیند گرفتار کیے گئے تھے وہ جنگ میں مارے نہیں گئے۔ MANUEL DE FARIAY نے اپنی کتاب SOUZAI PURTGUSE مطبوعہ ۱۶۹۵ء میں تصدیق کی ہے کہ یورپ میں صنعتی انقلاب کے دور میں ہندوستان کے سمندری راستوں سے پرتگیز بلوچستان کے ساحل تک پہنچے۔

بلوچی نظم

شنبہ ءِ روچ ءَ سر مشود براتانی
گہار
شنبہ پہ برات ءَ شر نہ انت شانز
دہ پہ پت ءَ
شنبہ ءِ روچ ءَ حمل ءِ شاگ ءَ
نول کتہ
حمل پہ شاگ و شاگ پہا
نیلیں زرءَ
چار گراب انت پہ مُرگی
چروکیں بانزلاں
حمل ءِ شاگش چپ چاگرد ءَ
گپتگاں
گواں جتہ بدواہاں تراد سگیر
کناں
حمل ءِ سنگت بیدلیں دشتی
بیتگاں

ترجمہ

ہفتہ کے دن (بناؤ سنگھار نہ کر) سر نہ
دھو بھائیوں کی بہن
ہفتہ بھائی کیلئے نحس ہے (چاندکی)
سولہ تاریخ باپ کیلئے نحس ہے
وہ ہفتے ہی کا دن تھا جب حمل کی کشتی تیار
ہو چکی تھی۔
حمل کشتی میں متمکن تھے اور کشتی سمندر
کے نیلے پانیوں میں
چار کشتیوں نے جنگلے پرندوں جیسے پر
پھیلے ہوئے تھے۔
حمل کی کشتی کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔

دشمنوں نے چلا کر کہا "ہم تمہیں گرفتار
کرتے ہیں"
حمل کے ساتھی بزدل دشتی تھے۔

جانش چوگزی اشکراں بے برانزہیتگاں	اُن کا آتش نفس لنی کے انگاروں کی طرح تپش سے تہی تھا۔
آدگہ میداں للگی اوماں کرتگاں	جبکہ دوسرے مچھیرے تھے جو چھپتے پھر رہے تھے۔

حمل جئیند نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ قوت کی کمی کے باعث ذلت آمیز شکست قبول کرے اور ہتھیار ڈال دے، پرتگیزوں سے بھڑ گیا اور بلوچی روایت کے مطابق اپنی پوری قوت سے جنگ کرتا رہا حد یہ کہ اُسکی تلوار ٹوٹ کر سمندر میں گر گئی حمل نے کلہاڑی کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر پہلے ہی وار میں کلہاڑی کا دستہ زور بازو کی تاب نہ لاکر ٹوٹ گیا۔ پرتگیز میر حمل کو گرفتار کر کے اپنی وطن لئے گئے۔ تلوار کے ٹوٹنے اور کلہاڑی کے ناکارہ ہونے کا تذکرہ نظم میں اسطرح ملتا ہے اس سے حسرت وافسوس کا اظہار ہوتا ہے۔

تلوار سے خطاب

تیغ سپاہانی من ترا بچی پیاستگ	میری اصفہانی تلوار میں نے تیری بیٹیوں کی طرح پرورش کی۔

ا۔اس مصرعے میں دشتی کا مذکور غلط اور قبائلی کینہ جوئی کا شاخسانہ بتایا گیا ہے۔ کچھ اس مصرعے کو اس طرح ادا کرتے ہیں حمل ءِ سنگت بیدلیں جدگال جنگاں

من ترا بچی پیاستگ دُریں دستگی	میں نے تجھے بیٹیوں کی طرح (پردوں میں) چھپائے رکھا۔
ہورانی مُدءَ گجریں بو پانی تل ءَ	برستا کے موسم میں گجراتی گدوں میں چھپائے رکھا۔
نمبانی وہدءَ ماں قباہاں آبریشمی!	نمی سے بچانے کیلئے ریشمی غلافوں میں ڈالا
اچ منی شیری پنجگ ءَ پرچے دُرشتے	آج تو میرے شیرانہ پنجے سے کیوں نکل پڑی۔
ماں زرءِ گُھب ءَ کپتگ ءُ ہفت پشتی شتے	اور سات پشتوں کیلئے سمندر کی موجوں میں جا چھپی۔
زیاد ہیں تاوان منائکاں داتکت	سب سے زیادہ نقصان میرے مستول نے دیا (کہ کلہاڑی)
نگر ہیں میخاں چے تبرزینوں درشتگ	جو نقرئی میخوں کی گرفت سے نکل گئی
حَمل ءِ دست گوں کمبریں ریزاں بستگاں	حَمل کے ہاتھ دھاری دار رسی سے باندھ دیئے گئے۔
کمبریں ریز چو لیٹرہی ہشت گردیں مہار	(وہ رسی) مست اونٹوں کے آٹھ لڑیوں والے مہار کی طرح تھی۔

حَمل جنید کو دشمن اپنے وطن لے گئے۔ انہوں نے بڑی کوشش کی کہ حَمل جنید اُن سے صلح کرلے اور بلوچستان کے ساحل اُن کے لئے کھلے رہیں مگر حَمل وطن پرست

تھا۔ وطن فروش نہ تھا۔ پرتگیزوں نے یہ کوشش بھی کی کہ حَمل اُن کی قوم میں شادی کرے مگر حَمل نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اُسے اپنے وطن کی عورتیں بھاتی ہیں جو مشرقی تہذیب میں پلی بڑھی ہیں۔ فرنگی عورتوں سے اُس نے اظہار نفرت کیا۔ حَمل کے یہ جذبات بھی اشعار کے پیرائے میں تاریخ وادب کی زینت ہیں۔

جن اپر نگانی حَمل ءِ پسند نہ بنت !!　　　　فرنگی عورتیں حَمل کو ناپسند ہیں

”LUKE HARD KAMP سے کراچی کی ایک ادبی تقریب میں ملاقات ہوئی۔ وہ بلوچی لباس پہنے ہوئے تھے اور ایرانی بلوچستان میں مرّوجہ بڑا سا رومال سر پہ لپٹے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے کہا آپ کراچی سے کولواہ اور جھاؤ کے راستے جائیں گے اگر بلوچ قبائلیوں کی آپ پر نظر پڑی وہ آپ کو اغواء کر کے لئے جائیں گے۔ اسلئے کہ آپ کی قوم نے حَمل جئیند کو جو کلمت کا سردار تھا گرفتار کیا تھا اور اپنے ساتھ لئے گئے تھے۔ بلوچ بدلہ نہیں بھولتے۔ اس پر جناب لوک ہارڈ کیمپ نے بتایا کہ اُن کے ہاں (یعنی پرتگال میں) حَمل سے منسوب ایک قبیلہ ”حَملانی“ پایا جاتا ہے۔ یہ کیتھولک مذہب کا پیروکار ہے۔ اس سے یہ امر پایہ ثبوت کو تو نہیں پہنچتا کہ یہ قبیلہ حَمل جئیند کی وہاں پر شادی کرنے اور اس ناطے سے معرض وجود میں آیا ہوگا تاہم یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ حَمل جئیند کی بہادری .

اپسنی کے ایک دانشور عبداللہ بلوچ اس واقعے کا راوی ہے کہ ”۱۹۶۵ء میں مکران میں پنوں برانڈ کھجور کے کارخانے کا غیر ملکی ایڈوائزر جناب لوک ہارڈ کمپ۔

کے اعتراف میں وہاں کسی گروہ نے یہ نام اپنایا ہوگا جس سے اس نام کے قبیلے کو فروغ ہوا۔

پشک اِش گونڈانت و ناپگ ءِ کنڈش درانت	ان کے لباس اتنے ہیں کہ ناف تک کو چھپا نہیں سکتے
ربّ ءِ نام ءَ نے ماں چم شودگ گرنت	مُنہ دھوتے وقت بھی خدا کا نام نہیں لیتیں
ناہی چانگا لاں گوں مکسکاں ایر برانت	کھجور کا حلوہ مکھیوں کیساتھ ہی ہڑپ کر جاتی ہیں
حَمل ءَ ملک ءِ وتی مہ کج پسند	حَمل کو اپنے وطن کی حسینائیں بھاتی ہیں۔
پشک شلوار ءِ سریگ و چادر انت	کرتہ، شلوار، دوپٹہ اور چادر میں ملبوس

سردار حَمل جنید کو جب یقین ہوا کہ اب اپنے وطن لوٹنے کا اُسکے لئے کوئی امکان نہیں تو اُس نے بحری ہواؤں کو خطاب کرتے ہوئے ذیل کے اشعار موزوں کئے۔

ساوڑی کوشاں شما منی احوالاں برات	بحر سے اُٹھنے والی ہواؤں میرا پیغام لے جاؤ
الن و شاہو و نوابو ءِ سرکن ات	الن، شاہو، اور نوابو تک پونچاو

ہوت جو کلمت میں آباد ہیں اُن میں چار ذیلی قبیلے مشہور ہیں۔ حَمل کا تعلق جالارزئی سے بتایا جاتا ہے۔ ذیلی قبیلے یہ ہیں۔ جالارزئی۔ اور مازاہی۔ گوہر۔ چلمرزئی۔

مکھیں ماتں و منی کستریں بمبیگ ءَ دئت	میری والدہ محترمہ اور میری چھوٹی (بہن) بمبی سے کہو۔
پمنی شام ءَ مہلبیں گیندیماں مَدرش	میرے کھانے کیلئے اب مہلب گوں گیہوں نہ پیسیں
پمنی بارشت ءَ پساں ار جیگ مکن	میرے لئے اب بکرے ذبح نہ کریں
پمنی پشت ءَ کھیس و ہفت رنگیں چادراں	میرے اوڑھنے کو کھیس اور سات رنگی چادریں نہ بُنیں
پمنی بور ءَ باگیں رُو بنداں مہ ریس	میرے گھوڑے کیلئے خوشنما رسیاں نہ بنائیں
حَمل ءَ پہراں گپتگ وشو میں غیبتاں!	حَمل فخر اور غرور کی بد بختیوں میں گر گیا ہے

بلوچی شاعری میں حَمل جئیند جیسے عظیم سپوت کی گرفتاری اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مادر وطن سے بچھڑنے پر جہاں بلوچستان کے عوام سوگوار ہوئے وہاں کچھ چیزوں نے اظہار مسرت بھی کیا۔ان کے ذکر میں حَمل جئیند کی بہادرانہ شخصیت کا اظہار ہوتا ہے۔

حَمل ءِ مرک ءَ سےؔ و چار چیزاں گل کتہ	حَمل کے موت پر تین چار چیزوں نے خوشی منائی
میداں ماں جاہو آسکاں ماں باگیں رجڑو	جاہو میں پہاڑی بکروں، رجڑو میں ہرنوں میں
لدہ ئیں شیر من گرشگ و گرزماں مپلداں	جنگلوں میں شیر ار چراگاہوں میں گورخر خوش ہوئے۔
شاہڑاں گوشتہ مَلّ گوں کوہی پاچناں	پہاڑی بکریوں اور بکروں نے باہم طے کیا

کوہسراں بَل ات بیاروؤں ریک پاداں چراں	پہاڑوں کو چھوڑ کر اب میدانوں کا رخ کرنا چاہئے
حَمل جئیند مرنگ کئے جنت وکئے کشیت	حَمل جئیند نہیں رہا اب کون شکار کرے گا

حَمل کے معرکے

حَمل جئیند کے معرکے مشہور اور زبان زد عام ہیں۔ ان معرکوں میں بیرونی حملہ آوروں سے وطن کے دفاع کے علاوہ مقامی قوتوں سے اپنے تشخص کے لئے رزم آرائی اور اپنی شہرت کے لئے بہادرانہ کارناموں کی داستانیں بلوچستان کی تاریخ کے روشن باب ہیں۔ حَمل جئیند کے ہم عصر اور ہم چشم سرداروں میں کولواہ کے چاکر خان کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ چاکر کولواہی ایک اور بہادر بلوچ شخصیت گزری ہے۔ جس نے حَمل جئیند سے گھڑ سواری، نیزہ بازی اور قوت آزمائی کی تھی۔ یہ معرکے مختلف بلوچی نظموں کا موضوع رہے ہیں۔

شعراء نے اپنی نظموں میں حَمل جئیند اور چاکر کواہی (کہدائی) کا ذکر کرتے ہوئے ان شخصیتوں کی کردار نگاری کا فرض حسن وخوبی سے انجام دیا ہے۔ حَمل جئیند اگر ایک طرف حُسن صورت، دلیری، وطن پرستی اور اعلیٰ کردار کا مالک نظر آتا ہے تو دوسری جانب چاکر کولواہی خود پرستی، عجب وغرور، خودستائی وکم نگاہی کا شکار ملتا ہے۔ دونوں شخصیتوں کے مسکان، مشاغل، طرز زندگی پر ذیل کی نظم سے روشنی پڑتی ہے اور تقابلی جائزہ بھی۔

حَمل یک ہوتے مس کلمت ءِ گھلاں	حَمل کلمت کے نواح کا ایک ہوت ہے
چاکر یک رندے مس کولواہ باگیں	چاکر کولواہ کے سبزہ زار کا ایک رند ہے

حَمل ءِ نام ءَ لانلکہ کا تکنت	حَمل کا نام سنکر (قصیدہ خواں) لانگاہ آتے تھے
زیاد ہیں تشریف چاکرءَ داتنت	چاکر اُن کی اس سے بھی بڑھکر آؤ بھگت کرتا تھا
حَمل ءَ زنکباری زباد مُشتنت	حَمل زنجبار کی خوشبو میں بسا ہوتا
چاکرءَ دارائی قبا پوش اِت	چاکر دارا جیسا خوش پوش تھا
حَمل ءِ جتاں ڈاچیاں دشتنت	حَمل کے جت ڈاچیاں دوھتے
چاکر ءِ ٹینگاں گواھتگاں کشتنت	چاکر کے خدام کھیت کھلیان میں مصروف رہتے
حَمل ءِ بوجیگ مس زراں تکنت	حَمل کی کشتیاں سمندر میں پھرا کرتیں
چاکر ءِ چُتاں کیلگاں کشتنت	چاکر کے (بیلوں کے) جوڑے کھیتوں میں
حَمل ءِ پنچصد مرد جنگیگ اَت	حَمل کے ساتھ پانچ سو جنگجو بہادر تھے
چاکرءَ کولواہی ہزار گیش اَت	چاکر کولواہی کے ہزار اُن پر بھاری تھے
چاکر کرمانی گراں مُلک اَت!	چاکر کی کرمانی تلوار انمول تھی
حَمل ءَ ترکی تیگ ابر لانک اَت!	جبکہ حَمل ترکی تیغ حمائل کیے رہتا
حَمل ءَ گوں اَت ''سیاہ'' مزن گوانیں	حَمل اپنے مغرور گھوڑے ''سیاہ'' پر سوار ہوتا
چاکر ءَ گوں اَنت گور کُشیں ''سوغات''	چاکر کے گھوڑے کا نام گورخر شکار کرنے والا سوغات تھا

ماہ گنج

حَمل کے عہد کی شاعری سے (جسکے بارے میں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ہوتمان نام کے شاعر نے موزوں کی تھی) ماہ گنج کے کردار پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی۔ ماہ گنج اُسکی محبوبہ تھی یا بیوی صورت کچھ ہو حَمل جئیند کو ماہ گنج سے دلی ربط و محبت رہی ہے۔ اس ضمن میں دستیاب کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہ گنج کو بھی حَمل سے دُور رہنا شاق گزرتا تھا۔ اور یہ کردار بھی حَمل جئیند کے بارے میں صرف ایک نظم میں ملتا ہے۔ اس نظم کے دو الگ الگ ورژن ہیں۔ مغربی بلوچی میں بھی اور مشرقی بلوچی میں بھی اس نظم کا ہیرو حَمل ہے۔ مغربی بلوچی میں حَمل کے نام کے ساتھ جئیند کا لاحقہ بتاتا ہے کہ حَمل کلمتی مراد ہے اسمیں ہیروئن یا مرکزی محبوب ہستی ماہ گنج ہے مشرقی بلوچی میں حَمل جئیند کی بجائے حَمل رند بیان ہوا ہے۔ اسمیں محبوبہ کے نام سے مہناز کا ذکر ہوا ہے۔ ایک حَمل کا تعلق بلوچستان کے ساحلی شہر کلمت سے ہے جبکہ دوسرے حَمل کو دیرہ بگٹی اور سنی شوران ضلع کچھی کے علاقے سے نسبت دی گئی ہے۔

واقعہ خواہ کہیں کا بھی ہو اور کردار ایک ہو یا ایک سے زیادہ قابل ذکر بات حمل کی بہادری، دلاوری اور بے خوفی کی ہے۔ جس طرح وہ خود ایک نڈر اور بے خوف شخص ہے اسی طرح اُسکے گھوڑے کی بھی حالت ہے وہ بھی شیروں کو خاطر میں نہیں لاتا اور رفتار کا عالم ایسا ہے کہ ایک ہی رات میں سینکڑوں میل کی مسافتیں طے کرتا ہے۔ ان نظموں کی تاریخی حیثیت کے پیش نظر مشرقی اور مغربی دونوں نظموں کو حوالے کے طور پر درج کیا جاتا ہے۔

حمل رند (مشرقی نظم)

راوی

وست جنت سیاہیں گوالغ[1] ءِ
داناں
بارت اش پہ دزگند ءَ جنانی ءَ
زیت کن او دزگندمنی دست ءَ

دیر کتہ ہوتیں حمل ءَ تیوگا
نیں وت ءِ کیت نیں محرمے
شتی
نیں دف ءِ ھبنوئیں سلام کیتی
نیں[2] تئ دوستے ماتنے گنداں
نیں تئ دوستے آتکنے گنداں

کالے بھورے میں بھرے ہوئے اناج
میں ہاتھ ڈالتی ہے
اور زنانہ نجومی کے ہاں لیکر جاتی ہے
"اے نجومیہ جلدی سے میرا ہاتھ دیکھ ہاتھ دیکھ
کیر یہ خبر دے کہ
ہوت حمل نے کیوں بہت دیر لگائی ہے
نہ خود آتا ہے نہ اپنے کسی راز دار کو بھیجتا ہے

نہ اُسکا عطر بیز سلام ہی آتا ہے"
مجھے تو تمہارے محبوب کا کوئی ماتم نظر نہیں آتا
نہ اُسکا آنا دکھائی دیتا ہے

۱۔جوال ۲۔ڈیرہ بگٹی۔

وست ماں مالی لیکھوے بندیں	(شاید) کسی لین دین کی وجہ سے رُکا ہوگا
دیروءَ دوسترائے کتگی توضیں	یا ڈیرہ بگٹی میں کوئی نئی محبوبہ ملی ہے
زروے مس براتی میسرو بے وشیں	یا توجہ کسی خاندانی معاملے نے منعطف کی ہے
لاگرو کزگلیں کمیت کوششیں	یا پھر پلا ہوا گھوڑا دُبلا اور کمزور ہو چکا ہے

ماہ گنج

زروے چہ براتی میڑواں رنج بات	اسکی توجہ خاندانی معاملات سے منقطع ہو
لاگرو کزگلیں مکیت کو نش بات	گھوڑا دُبلا اور کمزور ہے تو موٹا تازہ ہو جائے
ڈیروے دوست ءَ راو رات مارے	ڈیرہ میں اگر کوئی محبوبہ ملی ہے تو اُسے سانپ ڈس لے

حمل رند

وت خدائی ایں واشتگاں زوراں	خداتعالیٰ کو حقیقت حال کا علم ہے کہ مجبور ہوں
گیشترءَ بشامی جُڑو ہوراں	ساون بادوں کی بارشوں نے روک رکھا ہے
کورمزار انت دنیاگ ءَ گرنت	ہمارے درمیان مغرور ندیاں شیروں کی طرح دھاڑتی ہیں
نیں کہ ماں پُڑاں بیسریں پُڑنت	اور نالے بھی طویل مسافتوں میں پھیلے ہوئے
چہ کمیت جانی تیرغ ءِ داناں	اے مرے مرکب خوب خورجین کا راتب کھا
جوان دلگوش کن دوست ءِ پیغاماں	اور توجہ سے محبوبہ کا پیغام سُن لے
ہر کتاں دیرنیاد تئی سلام بیایاں	جونہی دُور دیس بسنے والے محبوبہ کا پیام ہونچا

ماں جلیں نیر موشے منا سرباں
گوں سلاماں من تچ کناں سیاہ ءَ

تپتی دوپہر کا وقت تھا
پیام وسلام سنتے ہی میں نے کالی گھوڑی پر
زین ڈالدی

ھیل باں من پہ دوست دلخواہ ءَ
زین ءَ ماں تکی مُڈواں بنداں
تھنگ ءَ پہ دوتی نہمتاں چکاں

اور خیال اپنی دلربا محبوبہ کا ستانے لگا
زین کو کس کر پھولدار اگھاڑی سے باندھا
اگھاڑی کی رسیاں اُسی کے خیال سے کھینچ
کر باندھیں

پادمس تاسیں دور واں شپتاں
پشت ءَ لکھی ءِ مہلواں گپتاں
سیاہ شلان ءَ اومن نگوشان ءَ
ہر دوسر کوڑی ءَ شموشان ءَ

پاؤں رکاب میں رکھے
اورلاکھوں کی قیمتی گھوڑی کی زین پر متمکن ہوا
کالی گھوڑی جانب منزل رواں تھی
(میں اورگھوڑی) دونوں جہاں سے بے خبر
اور بے نیاز تھے

مَلّ او مہلنج پہ یک گورے دوستاں
کمتر ءَ مَلّ ءَ گیشتر ءَ مہلنج
مہلنج پہ مجلساں شفانی آں
مَلّ کہ مئے دکانی ستم زریں
مَلّ مریت مہلنج ءِ بلہ زیر نت
من مراں بے پول ءَ بہشتی آں

گھوڑی اور محبوبہ مجھے یکساں عزیز ہیں
گھوڑی کچھ کم محبوبہ کچھ زیادہ
محبوبہ راتوں کے راز و نیاز کے لئے
گھوڑی جو میرے دکھوں میں حصہ دار ہے
اگراس سفر میں گھوڑی مرجائے تو محبوبہ پر نثار ہو
اگر میں مرجاؤں تو بغیر حساب و پرسش کے
بہشتی ہوں گا

ا۔اس شعر کے ساتھ اگلے دو شعروں کو گلوکار بی برگ رند کی نظم میں بھی شامل کرتے ہیں جو سیاق وسباق کا ساتھ بھی دیتے ہیں۔

گپتگاں ڈان و دیر سریں پٹی	ایک طویل اور ختم نہ ہونے والی پٹی سامنے ہے
برُغ ءَ بوران نکت گھٹی	ہر چند کہ گھوڑوں نے اسے طے کرنے میں کمی نہیں کی ہے
بور برآتگ تیرغ ءِ زور ءَ	گھوڑے راتب کی قوت پر اسے طے کرتے ہیں
لبماہیں ورنا پہ دل ءِ زور ءَ	گھبرو جوان دل کی توانائی ہے
من کہ ستی اِے۱ تنگ دپ ءَ کایاں	میں جب ستی کے درے کے اندر داخل ہوا
تراس کتہ سرواں گرونیں سیاہ ءَ	میری غزال گھوڑی بدک کر کھڑی ہوگئی
ڈُمبے گوں دم چیس ءَ بُرتی برزا	دم اتنی اونچی کرلی کہ اگھاڑی پچھاڑی مل جائیں
سنت گوں سرواگاں ھریویاں۲	تو تختی ہرات کے بنے ہوئے باگ سے ٹکرانے لگی
ماں نظر کت گوں رنگلیں چماں	میں نے اپنی رتجگوں سے سرخ آنکھیں اٹھائیں
اڑ منی دیما سیاہگے رُستہ	سامنے سے ایک سایہ بلند ہونے لگا
من دل ءَ گوشتوں بنوی کندے	میں سوچا یہ کھیت کی مینڈھ ہے
یا کشار جاہی کشگلیں بنڈے	یا کھیت میں بچا ہوا کوئی تنا ہے

۱۔ ایک نظم میں یہ بند آیا ہے "نیں کہ داں سوبری گور دف ءَ کایاں" ھریو۔ بلوچی میں "ہرات" کے لئے مستعمل رہا ہے۔

کُہل جیند ہوت (مغربی نظم)

کُہل

آ تلکنت پیغام گوں گدار یگان	راہرووں کے ذریعے محبوب کا پیغام پہنچا ہے
ٹیٹل ءِ مورت ءَ سر شانی آں	اُس کا پیام جو کہساروں کی مشکبو کستوری ہے
کوہسری کبگاں کرامگانی آں	وہ جو کبک رفتار ہے
تلی آہواں بیدہانی آں	جو صحراؤں کی غزال ہے
بانک ءَ ، مسک و مہلبانی آں	جو مشک اور عنبر کی مالکن ہے
"جن مزن پادینکیں ہمو بیگاہ	"بڑی طمطراق والیاں ہر شام آتی ہیں
کائینت وندان میئے گوُروگیگ ءَ	آکر ہمارے آس پاس بیٹھ کر پوچھتی ہیں
دیر کتہ ہوتیں کُہل ءَ تیگ	اس مرتبہ کُہل ہوت نے خاصی دیر کردی
نیں وَت ءَ کئیت ونیں سلام ذُرّیں	نہ خود آیا نہ گھر بار سلام ہی بھیجا
نیں وتی بور ءِ چاکراں یکے	نہ اپنے سائیس اور خدام میں سے کسی کو بھیجا
اچ منا دوستے شر تریں گندی!	(میں کیا کہوں) "مجھ سے بڑھکر کوئی حسینہ دیکھی ہوگی
(یا) ڈیلت کپتہ ماں شدّ تے جنگی!	یا کسی جنگ و جدل میں گھر کر رہ گیا ہوگا
من گُمے گال ءَ جہہ جنگ دگی	یہ سنتے ہی میں دلیرانہ اُٹھ کھڑا ہوا
بستگوں میان ءِ ڈکہ دار ہندی	ہندی شمشیر کمر سے باندھ لی
کمبریں میہہ ءَ را بہ شہکارت	اپنے خادم کمبر کو صدا دی

زیت کُن او کمبر بیار منی بور ءَ
بند کیت ءَ او سنج کن سیاہ گورا
چکئے تنگاں گوں طاقت و زورا
آرتہ مے میہہ ءَ بور مزن گواتیں
زینے ماں پشت ءَ دات مغل ساچیں
پادوں پہ تاسیں دوروان داتیں
مل ءِ وش کوشیں مہپلوں گپتیں
شپ اول پاس ءَ ماہکاں رنگیں
سردی ءَ شوریتہ کنار و نگیں
بُرتواں تاں شیمنوشی پٹ و چر ءَ
ارے کپتوں نیلیں ساوڑ ءِ کر ءَ
ارے کپاں سوجی ءِ تڑو سُنت ءَ
بور منی اوشتات گشتہ چوگنت ءَ
ہردمے شوریناں کیت ءَ را
گڑ کنت گوشان و نروت دیما
فربہیں شیرے کپتہ چوگنت ءَ
نہردگاں جنت و ہر گورے سریت
سُست و نامرد ءِ دل ءَ دریت

کمبر! جلدی سے میری گھوڑی لے آ
نہیں یہ کمیت (سبک رفتار) باندھ دے
سیاہ گھوڑی پر زین کس کر لے آ
خادم ہماری مُنہ زور گھوڑی لے کر آ گیا
مغل ساختہ زین کس کر ڈالی
میں نے پاؤں رکاب میں رکھے
اور پشت مرکب پر متمکن ہوا
رات کا پہلا پہر ہے چاندنی جوبن پہ ہے
کچھ سردی نے پاؤں پھیلائے ہیں
میدان اور نالے سرپٹ دوڑتی گھوڑی نے طے کئے
نیلگوں سمندر کے قریب آپہنچے
سوجی نامی مقام کے سنگم اور دہانے پر آ کر
میر گھوڑی ایک تنے کی طرح ساکت ہوگئی
میں بار بار ایڑ لگاتا، جتن کرتا ہوں
وہ کان کھڑے کرتی ہے مگر قدم نہیں بڑھاتی
ایک موٹا تازہ شیر بڑے سے تنے کی طرح پڑا تھا
ہر سو اُچھل اُچھل کر دھاڑ رہا تھا (ایسا کہ)
کمزور اور مردانگی سے بے بہرہ آدمی کا دل
پھٹ جائے

شیر و تا ز نڈیں رسترے لیکھیت
من و تا زنڈیں مہتری بچے
شیر دل ءَ کاریت کشمبیں مردے
ہکلاں مرد ءَ را پہ سر ہمینیں
بارگیں بورائے پہ چنڈائین
بورے بورہین وجندائے گلینین
گوں کشے کھلی ءَ بُروت لوگ ءَ
گوں سواسان و آبلہیں پاداں

شیر اپنے آپ کو اگر قوی الجثہ درندہ سمجھتا ہے
تو میں بھی خود کو بہت بڑے جری کا بیٹا مانتا ہوں
شیر بیچارہ سوچتا ہے منحنی سا کوئی شخص ہے
میری غراہٹ سے سہم کر رہ جائیگا
اس کا اصیل گھوڑا ہتھیالوں گا
گھوڑا نوش کر کے خود اُسے بھگا دونگا
مشکیزہ کندھوں پر لٹکائے گھر پہنچ کر دم لے گا
پیدل دوڑ لگاتے ہوئے پیروں یں چھالے پر جائیں گے

زالے پہ گنڈی کور کناں چماں
ردمیہ وَر شیر دَپ شکارانی
حُمل جیند آں مزا ہانی
شش جنے جودءُ واژہ بورانی
یکے مس شال ، دومی شیشار ءَ

عورتیں خوب مذق اڑا کر خوش ہونگی
نہیں۔ اس غلط فہمی میں نہ رہنا شکاری شیر
میں عظیم حُمل ہوں جیند خان کا بیٹا
چھ بیویوں کا خاوند اور تیز رو گھوڑوں کا مالک
(میری ایک بیوی) شال میں ہے تو دوسری شیشال میں

یمی مان مستونگ ءِ بدرنگان انت
چارمی کولواہ آواران اِنت
پنچمی گزدان ءِ تیاب کرّ ءَ

تیسری مستونگ کے نواح میں
چوتھی کولواہ آواران میں بستی ہے
پانچوں بیگم گزدان (کلمت) میں ساحل کے قریب

ششمی مہتاپ انت کسان سالیں	چھٹی نو خیز مہتاب ہے
ایشاں من وسیاپہ یک شپ ءَ گولیں	میں اور میری کالی گھوڑی ایک ہی رات میں ان کی خبر لیتے ہیں
انگت سیاہ گور پہ شپ رواں زین انت	اسکے بعد میں گھوڑی کا زین نہیں اُتارتا
ہوشے گوں جدگال ءِ جنک ءَ انت	خیالوں پر جدگال دوشیزہ چھائی رہتی ہے
شیر چو شراب واریں حاکم ءَ زہر انت	شیر ہے کہ شراب خوردہ حاکم کی طرح بھرا بیٹھا ہے
کہ گوں وت داری شش شلہ زلیتں	اُسے اپنے چھ اسلحہ پر ناز ہے
چنگل ءِ چار ءَ نیش دوانت بلیتں	چار اُسکے چنگل کے نوکیلے ناخن اور دونو کیلے دانت
ءَ و چار گل بوگ و ہمد شلیتں	یہ تین چار چانٹوں سے کام تمام کرتا ہے
پہلواں گرمیں گونڈلاں پرینت	مگر اس پہلوان کو میرے گرما گرم تیروں نے پچھاڑ دیا
پد ماں پد شلیں تیراں جاں دریں	یکے بعد دیگرے ہلاکت خیز تیروں نے
دور کتوں اچ بور ءَ اناگاہ ءَ	میں گھوڑی سے فوراً ہی کود پڑا
سیر گیں چلتی بروں چڑائینت انت	رنگیں زرہ بکتر زیب تن کی
جابہ من دستانی اڑائینتت	ترکش ہاتھ میں لیکر
زرت گوں نرشیر ءَ اڑائینتت	شیر نر سے معرکہ گرم کیا
تیر من زرت انت مست و گمراہی	مستانہ وار جو جو تیر میں نے منتخب کیے
جابو ءَ چینت و جتت جاہی	کمان نے صحیح نشان پر سنسناہٹ کے ساتھ پہنچائے

تیر چہ سیوائی جگ ءَ بستنت
کل مزار ءِ پہ سینگ ءَ گپتنت
نرمزار اولی ہکلاں کپتہ!
ہونے چہ کپتاں گل گل ءَ رپتہ!
تیغ زُرندیت ماں سیر گیس جُپت ءَ

او منی ولجہ پُل و سوغاتیں
کلمتیگانی پُل و شاہگیں!
شیر مُرَ بنیت بیڑ ہے بیار یت

منی کیدءَ چہ زمزیرءِ رہ بچ کن!
گردنائے کانڈ لی مہہ تریزنیں
حمل تئی تیماروں حرام بات انت
شپ کسان انت بانگ دنت مُلّا
چون کنت حکمانیں خداتعالےٰ
دُوریں جانی ماں گورگیس کلت ءَ
من وتی موجانیں دل ءِ ٹھل ءَ
بڑیتوں شیر ءِ دست شکارانی
من جُنیدان ءَ بستہ شادانی

سیوائی کمان کے چلّے سے جتنے تیر نکلے
شیر نے سب کے سب سینے پر کھائے
اب شیر نر کا وہ پہلا جوش و خروش نہیں رہا
خون اُسکی پسلیوں سے ابل ابل کر بہہ رہا تھا
میری کمر سے حمائل تلوار میان میں پڑی بڑبڑا
رہی تھی

(کہتی تھی) پھولوں کی سوغات والے مالک
کلمتی عوام کے گل شاہانہ!
شیر اگر یہ تیر خاطر میں نہ لائے اور حملہ کرنے کی
ٹھانے

زنجیر کے بندھن سے مجھے رہائی دلایئے
گر اُسکی گردن گنے کیطرح قلم نہ کردوں تو
حمل آپ کی نگہداشت و پرداخت مجھ پر حرام ہو
راتیں مختصر ہو رہی ہیں مُلّا اذان دینے کو ہے
معلوم نہیں مشیت کی رضا کیا ہے
جاناں یہاں سے دُور اپنی سجی وہ خوابگاہ میں منتظر
میں اپنے خیالات کے حسین دھاروں پر بہتا ہوا
شکاری شیر کا یک پنجہ کاٹ کر
میں نے خوش خوش خورجین میں رکھ لیا

تھبے گوں انت دوست و سیادانی

بلکلن منی دیما درکپیت جانی
دریگگ ءَ درکپتگ زبادانی
بوروں بستہ پہ جاہے پہنانی
تیغے گوں پھلین اسپر ءَ گپتہ!
دوست شتہ بالشت ءِ سرا نشتہ
آشپ ءِ سے پاس ءَ تتاب گپتہ

چارمی پاس ءَ رخستوں گپتہ
گرد گولانی قصہوں کرتہ

آزبادانی بانک ءَ گوشتہ!!
زمب کنت چومرگ ءَ ہوائی ءَ
گرد تریفیت دست ءِ بانہی ءَ

جنتش پہ چونی کاگدیں دیم ءَ
جنتش پہ سرزاناں ملوکیناں
"اوہے من باتوں گوں وتی کاراں

یہ دوستوں رشتہ داروں کیلئے (اظہار جرأت کا)
اچھا تحفہ ہے
ہوسکتا ہے محبوبہ میرے خیر مقدم کو نکل آئے
(واقعی) ٹاپوں کی آواز سنتے ہی مشکبو محبوبہ نکل آئی
میں نے ایک پوشیدہ مقام پر گھوڑا جاکر باندھ دیا!
اُسنے بڑھکر تیغ وسپر مجھ سے لے لئے
اور گاؤ تکیے سے لگ کر بیٹھ گئی
رات کے باقیماندہ تین پہر وصل کی سرشاریوں
میں گزرے
چوتھے پہر اُس سے طالب، رخصت ہوا
(اس ملاقات میں) رہ نوردی کے قصے بھی
چھڑے
(شیر سے مقابلے کا سنکر) اُس دلربا نے کہا
ہائے ہائے کیسی انہونی ہوئی ہے
گفتگو کرتے ہوئے وہ اپنی کلائی کی
چوڑیاں سے کھیلتی رہی
وہ دو ہترا کبھی کتابی چہرے پر مارتی ہے
کبھی نازک نازک زانوں پر
"اے نوج میں اور میری حرکتیں

پہ شپی شوہازان ترا کاراں''
من وتی انبازاں پدا گپتہ
مہہ کجیں دوستارا پدا گوشتہ
دائما مرد و شیر شکارانی
ماں پٹ و بیروناں کناں گھاڑی

مریت ہما سرکہ وعد ہے آ تکہ
پیالگے پُر ہیتہ حسابانی
رخصتوں گپتہ اچ شکر خند ءَ
بارگیں بوروں زُرتہ چہ بندءَ
کپتگوں دو شیگیں پد و زند ءَ
آ تلگوں شیر ءِ جاگہ و ھند ءَ
کشتگاں تیروں یک ویکی ءَ
جابہ ءَ ماں شپت اَنت کنکی ءَ
کار کائنوں روچے سکی ءَ

آدھی آدھی راتوں کو آپ کو جستجو میں ڈالتی ہوں''
میں نے پھر اُسے سینے سے لگایا
اپنی چاند جیسی محبوبہ سے کہا
ہمیشہ شیر مرد اور شیر شکاری
کوہ ودشت میں ایکدوسرے سے بھڑا ہی
کرتے ہیں

وہ مرتے ہیں جن کا وقت پورا ہو چکا ہے
اور جن کا پیمانہ حیات لبریز ہو جاتا ہے
شکر گفتار محبوبہ کو الوداع کہکر
گھوڑی تھان سے کھل ڈالی
شپ گزشتہ کی راہ لی
اُس مقام پر پہنچا جہاں شیر سے مد بھیڑ ہوئی تھی
شیر کے جسم سے ایک ایک کر کے سارے تیر نکالے
ترکش میں پھر سے قرینہ سے رکھے تا کہ یہ
مشکل وقت میں کام آسکیں

حانی وشہہ مُرید

بلوچستان میں عوامی، رومانی اور تاریخی داستانوں میں حانی و شہہ مرید کی داستان کو جیسی قبولیت عام حاصل ہوئی ہے کسی دوسری داستان کے حصے میں نہیں آئی اس داستان کی اثر پذیری کے دیگر بہت سے اسباب میں سے ایک سبب بلوچستان کے عوام کا مزاج اور تہذیبی خصوصیت ہے کہ وہ ظالم سے متنفر اور مظلوم کا حامی ہے ظالم خواہ کوئی ہو بلوچ کی گردن اسکے رو برو نہیں جھکتی۔ مظلوم خواہ کوئی بھی بلوچ کی حمایت سے محروم نہیں رہتا۔ بلوچ کے اس مزاج کی گواہی تاریخ نے دی ہے۔

تاریخ میں مرقوم ہے کہ نوشیروان اپنی بے پناہ جلالت وقوت سے بھی بادیہ نشین بلوچ کو اپنا تابع فرمان اور زیر احسان نہ رکھ سکا۔ فردوسی نے بلوچوں پر لشکر کشی اور مکران پر تاخت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے لیکن تسخیر کو گول کر گیا ہے۔ اسلئے کہ نوشیروان بھی ایسے رزم میں کامیاب نہ ہو سکا۔

زمین، کوہ تا کوہ لشکر گرفت — ہمہ مرز مکران سپہ برگرفت
بیاورد پیلاں جنگی دو ویست — تو گفتی کہ اندر جہاں جائے نیست
از آوازِ اسپان و جوش سپاہ — ہمے ماہ بر چرخ گم کردہ راہ
طلایہ بیامد زمکران بہ شاہ — کہ مکراں سیہ شد زگردِ سپاہ

بلاشبہ زمین کیا ہر ایک وادی اور گھاٹی نوشیروان کی فوجوں سے اٹ کر رہ گئی ہوگی۔ جنگی ہاتھیوں سے کہیں بھی امان نہ ہوئی ہوگی۔ افواج قاہرہ کی گرد سے چاند فلک پر اپنی راہ کھو گیا ہوگا مگر طاقت کیا اس مظاہرے سے بھی اس گردن فراز قوم کو حق و انصاف

کے راستے پر چلنے سے باز نہ رکھا جاسکا۔

تاریخ اسلام کا یہ واقعہ کہ حق و باطل کی کشمکش عروج پر ہے۔ایک طرف یزید اپنی پوری قوت اور تمام انسانی وسائل سے لیس حق کو مٹانے پر آمادہ دوسری جانب حق کی چند حامی میدان کربلا میں صف آرا ہیں۔ بلوچ غیر منظم ہیں۔ پسماندہ ہیں مگر انہوں نے اپنی طاقت حضرت امام حسین علیہ السلام کے پلڑے میں ڈال دی ہے وہ ظالم کی طرف داری نہیں کرتے حق کے ساتھی ہیں۔

ما مریدوں یا علیؑ	دین و ایمان سیتیں
کربلا بھمپور نیامؑ	شہر سیستان منزلیں
گوناں گوں فوجؑ حسینؑ	گوں جزیدؑ جھیڑویں

''ہم حضرت علی علیہ السلام کے مریدؑ حامی ہیں۔ ہمارا دین اور ایمان ثابت ہے۔ کربلا اور بھمپور کے درمیان شہر سیستان ہماری منزل گاہ ہے۔ ہم حضرت حسین علیہ السلام کے فوج کے ساتھ ہیں۔ یزید سے ہماری جنگ ہے''۔

ان حوالوں کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بلوچی مزاج کی نشوونما ایک خاص حالت میں اسطرح ہوئی ہے کہ وہ ظالم کی کبھی حمایت نہیں کرتا۔ جہاں اسے ایسی صورتحال پیش آتی ہے وہ مصالحت کی بجائے مقابلہ کو ترجیح دیتا ہے۔ شہہ مرید کو بھی اپنے عہد میں ایسی صورتحال سے دوچار ہونا پڑا کہ وقت کے حاکم نے کھیل ہی کھیل میں اُسکے ناموس پر ہاتھ ڈالا، وہ حاکم جیسی قوت کا مالک تو نہ تھا مگر جس قدر استطاعت تھی اپنی حمیت کا اظہار کیا۔

حانی، شہہ مرید سے بچپن ہی میں منسوب تھی، کہتے ہیں حانی جب پیدا ہوئی اُسے کوئی ایسی بیماری لاحق ہوئی کہ بہتیرے علاج کئے مگر افاقہ نہ ہوا۔ شہہ مرید کا والد شہہ مبارک شہہ کہیری بزرگوں میں صاحب کرامت ہوئے ہیں۔ حانی کے والد میر مندو نے حانی لاکر شہہ مبارک کی گود میں ڈال دی کہ دعا فرمائیں یہ زندہ رہے تو آپ کی کنیز رہے گی۔ شہہ مبارک کی دُعا سے حانی اچھی ہوئی۔ وہیں پرورش پائی اور شہہ مبارک نے بچپن ہی میں اُسے شہہ مرید سے منسوب کیا کسی کو اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ حانی جوان ہو کر ایسی حور شمائل نکلے گی کہ حکومت وقوت کا مالک سردار چاکر خان اُسے حاصل کرنے کے لئے جال بچھائے گا۔

سردار چاکر خان رند اُن دنوں بلوچستان کا ایک عظیم المرتبت حاکم تھا۔ شہہ مبارک کو اُس کے دربار میں رتبہ وعزت حاصل تھی۔ شہہ مرید اور سردار چاکر خان ایک ساتھ کھیل کر جوان ہوئے تھے۔ اس لئے شہہ مرید کو سردار چاکر خان کی مصاحبت وہم نشینی کا اعزاز حاصل تھا۔ روایت کے مطابق وہ ایک مرتبہ شکار سے لوٹ رہے تھے، دونوں بہت پیاسے تھے، سردار چاکر خان نے بستی کے قریب پہنچ کر تجویز کیا کہ چل کر بستی میں پانی پیتے ہیں، شہہ مرید جانتا تھا کہ یہ بستی اُسکی اپنی ہے اگر وہ دونوں وہاں ایک ساتھ جائیں گے تو حانی شہہ مرید کے سامنے باہر نہیں آئے گی۔ اُس نے اس بات کا چاکر خان سے ذکر کیا۔ چنانچہ چاکر خان بستی کی جانب ہولیا اور اتفاق سے جس گھر پر دستک دی وہاں سے حانی ہی برآمد ہوگئی، سردار نے پانی طلب کیا، حانی ایک کٹورے میں پانی بھر کر لائی مگر دانستہ چند تنکے بھی اُس میں چھوڑ دیئے، مقصد یہ تھا کہ سردار چاکر خان دُور سے شدت گرمی میں آرہا

ہے، پیاس بھی شدید ہے فوراً ہی پانی نہ پی جائے کہ مضرت رساں ہوگا۔ سردار چاکر خان اُسکی اس ذہانت کا معترف ہوا اور حانی کے حصول کا ارادہ کرلیا، اسکے لئے سردار چاکر خان نے ایک منصوبہ تیار کیا، ایک دن بھرے دربار میں اُسنے دعویٰ کیا کہ ''موت کے خوف سے گھبرا کر وہ نہیں بھاگے گا[1]'' اس موقع پر جو دوسرے بلوچ سربرآوردہ موجود تھے انہوں نے بھی مختلف دعوے کئے اور بلاشبہ سب نے اپنے دعوؤں کی لاج رکھی گو اس میں چند ایک کو بھاری زیان اور ناقابل تلافی نقصان اُٹھانے پڑے، اس موقع پر شہہ مرید نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ جمعرات کی صبح سائل جو کچھ بھی طلب کرے گا مُراد کو پہنچیگا یہ دعویٰ بعد میں شہہ مرید کے لئے بہت بڑا امتحان بن کر سامنے آیا۔ شہہ مرید نے ہمت مردانگی اور بلوچی روایات کی پاسداری میں اپنا دعویٰ پُورے طرح نبھایا تاہم

۱۔ میر گل خان نصیر مرحوم نے اپنی کتاب ''بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی'' میں صفحہ ۹۲ پر لکھا ہے کہ'' میر چاکر خان کے اس دعوے کی آزمائش سے متعلق ہمارے شاعر خاموش ہیں۔ ہمیں ابتک کوئی ایسی نظم نہیں ملی جسمیں میر چاکر خان کی آزمائش کا ذکر ہو۔ لیکن میر صاحب نے شاید ان روایت پر توجہ نہیں دی ہوگی کہ جب سردار چاکر خان رند لاشاری تیس سالہ خانہ جنگی کے دوران افغانستان سے کمک کی غرض سے شاہ کے مہمان تھے تو انکی آزمائش کے لئے علی الصبح مست ہاتھی اُن پر حملہ آور کرایا گیا تھا۔ سردار چاکر خان وضو کی غرض سے نکلے تھے۔ استادہ انکے ہاتھ میں تھا وہ ہاتھی کو دیکھ کر ذرا بھی نہ گھبرائے وہی استادہ ہاتھی کے چہرے پر کھینچ مارا ہاتھی اس ضرب ناگہانی سے اتنا پریشان ہوا کہ پلٹ کر بھاگ نکلا۔

ایک اور موقعہ پر جب کہ رند اور لاشاریوں میں گھمسان کی جنگ ہورہی تھی رند افواج میں شکست کے آثار نمایاں تھے، سردار چاکر خان نے یہ توقع کی جارہی تھی کہ وہ جان بچانے کے لئے فرار ہوگا مگر اُسنے ایسا نہیں کیا۔ سردار گہرام خان لاشاری کے والد نود بندغ نے سردار چاکر خان کی جان بچانے کے لئے اُسے زبردستی پکڑ کر اپنے گھوڑے ''پلن'' پر بٹھادیا تھا اور جنگ کے میدان سے لے گئے تھے۔

اُسکے دل میں یہ گمان جا گزیں رہا کہ سردار چاکر خان نے اُسے ایسی آزمائش میں ڈال کر حفظ ناموس کی بے احترامی کی ہے اور دانستہ اُس سے وہ انمول گوہر چھینا ہے جو اُسکی زندگی کا گرانمایہ سرمایہ تھا۔ وہ اپنے اُس احساس کا اس طرح اظہار کرتا ہے۔

چاکر ءَ پہناتی من ءَ کاتارے جتہ
اچ دل ءِ بنداں چہ منی پشت ءَ درشتہ
تازگنت ٹپ وگبکباریں دردے کنت
ٹپانی درماں حانل ءِ پُلیں کندگ انت

چاکر خان نے مجھ پر خنجر سے چھپ کر وار کیا ہے
جو دل سے ہوتا ہوا میری پیٹھ سے جا نکلا ہے
زخم تازہ ہیں اندر ہی اندر دُکھ رہے ہیں
ان زخموں کا علاج حانی کی پھول جیسی ہنسی ہے

شہہ مرید کا معاشرتی شعور

یہی تلخ احساس تھا جس نے شہہ مرید میں ایک روشنی بنکر، ایک نئی روح پھونک کر وقت کے حاکم سے مقابلہ کرنے اور تقابل کرنے کی جرأت عطا کی اس اعتبار سے شہہ مرید وہ پہلا بلوچ شاعر ہے جس میں معاشرتی شعور نے انگڑائی لی ہے اور شرف انسانی کے نعرے نے اُسکے کلام میں ترقی پسندی کے گوشوں سے نقاب اُٹھایا ہے وہ کہتا ہے۔

آں چاکر انت، من دی شہاں
من دی بدیں مردے نیاں!
چاکر پوانکہ شر تر انت؟
کاتارے مُشتے تھنگہ انت
سرداری ءِ نامے پرانت؟
ہردیں بلوچی جھیڑہاں

چاکر ہے وہ، میں شہہ مُرید
میں بھی نہیں ایسا بُرا
وجہ فضیلت اُسے
دستہ طلائی، تیغ کا
دستار سرداری کا مالک
میدان حرب و ضرب ہو

من دی وتی بوریں بہاں	گھوڑا نہیں پیچھے رہا
پسکنیتگ و نیام ءَ جنگ	کیا قلب لشکر میں نہ تھا

شہ مرید کا کلام، اُس کی شخصیت، خود کو چاکر خان سے انسانی اعتبار سے اسلامی نکتہ نظر سے کمتر نہ سمجھنے کا شعور یہ برسبیل تذکرہ درمیان میں آ گئے یہ کسی علمی مقالے کا موضوع تو بن سکتے ہیں لیکن داستان طرازی سے کم ہی علاقہ رکھتے ہیں۔ الغرض جب سر برآوردہ بلوچ دربار میں اپنے دعوے کر چکے تب سردار چاکر خان نے انہیں آزمایا۔ ھیتان، جاڑوک اور دوسروں کی آزمائش کے بعد شہ مرید کی آزمائش اسطرح کی گئی کہ چند ڈوم یا گویئوں کو مقرر کیا گیا کہ وہ جمعرات کی صبح شہ مرید کے ہاں جا کر اپنے فن کا مظاہرہ کریں جب وہ اظہار خوشنودی کے بعد بخشش کا پوچھے تو اُس سے حانی کا بازو مانگیں، انہوں نے ایسا ہی کیا، شہ مرید نے اُن سے پوچھا ''مانگو کیا چاہئے؟''

لانگو بلوٹت دادن ءَ	گویو! مانگو کیا انعام مانگتے ہو
من دادن ءَ بند نہ باں	میں داد و دہش میں پیچھے نہیں رہوں گا
زیرت منی جمازگ ءَ	میری تیز رو اونٹنی چاہئے؟
زین ءِ ہزاری مرکب ءَ	یا ہزاروں میں یکتا مرکب وزین؟
تیغ ءَ گوں پُلیں اسپرءَ	میری تلوار مانگتے ہو یا پھولوں والی ڈھال؟
تیر وکماں گوں جابہ ءَ	تیر کمان چاہئے یا میری ترکش؟
کارچ و برّو کیں خنجرءَ	یا میری چھری اور تیز دھار خنجر؟

گویوں کو چونکہ سمجھایا گیا تھا کہ وہ کوئی اور بخشش قبول نہ کریں اسلئے انہوں نے

یہ ساری پیشکشیں رد کر دیں اور کہنے لگے۔

گوشتہ اگازی لانگو آں	گویوں نے جواب دیا
لوٹوں دُنانی حانی ءَ	ہمیں تو مشکّ بو حانی بخش دیجئے

اپنے مطالبے میں زور پیدا کرنے کے لئے انہوں نے یہ نفسیاتی حربہ بھی استعمال کیا کہ پاس عزت سے شہہ مُرید کے لئے پلٹ جانے کی گنجائش ہی نہ رہے۔ انہوں نے شہہ مُرید کی اپس رگ حمیت کو جھنجوڑا کہ وہ چاکر خان کا ہم پلہ ہو نہیں سکتا ۔چاکر خان دل کا دھنی ہے۔ داد و دہش اُسکی روایت رہی ہے اور تم ایک فقیر بے نوا ہو۔ جبکہ انسانی شرف کے حامی شہہ مرید کو یہ گوارہ نہ تھا کہ وہ ایک عورت کے لئے اس رتبے سے محروم ہو۔ گویوں نے پہلے سے طے شدہ منصوبے کو کام میں لاتے ہوئے شہہ مرید کے تذبذب پر طنز و ہجو کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''داد دہش عموماً وہی لوگ کرتے ہیں جن کے اباء واجداد نے بخششیں کی ہوں تم ایک فقیر بے نوا ہو کسی کو کیا انعام دے سکتے ہو۔ انعام و مرحمت سردار چاکر خان کو زیبا ہیں کہ اُن کے در سے لوگ ہمیشہ دامن مراد بھر کر لے جاتے ہیں۔ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ ہولو اور چل کر سردار چاکر خان کے در سے جھولی بھر لاؤ''۔

شہہ مُرید نے سوچا

حانی نہ بخشاں لانگواں	حانی اگر میں نے گویوں کو بخش کر نہ دی
بدقول باں گوں چاکر ءَ	تو چاکر کے آگے بدقول ہو کر آنکھیں اُٹھا نہ سکوں گا
چاکر عدوئے ظاھر ءَ	چاکر بلاشبہ دشمن مبین ہے

بازیگ دنت ہسی سر ءَ	مجھ بے نوا کو چکر دینا چاہتا ہے
پیش حانئے چم دیست کتہ	حانی اُسنے پہلے دیکھی تھی
رند ءَ سوالے پر کتہ	اب مجھ سے تقاضہ کر رہا ہے

حانی شہہ مرید کی زندگی تھی۔ عہد و پیمان اُسکا ناموس، بلوچ ناموس پر زندگی قربان کر دیا کرتے ہیں۔ شہہ مُرید نے بھی اپنی زندگی قربان کر دی اور حانی گویوں کو بخش ڈالی۔

حانی مس بخشت لانگواں	میں نے حانی گویوں کو بخش دی
ہپ چنگ جنیں ربابواں!	نغمہ سنج فنکاروں کو دے ڈالی
گندانی ھنکین و پداں!	اب میں اُسکا مسکن اور نقش پا دیکھتا ہوں
کوراں چہ ھر دو دیدگاں	دونوں آنکھوں کی بصارت سے محروم ہوں

گویے حانی کے ہاں گئے۔ حانی سے اُسکے گھر والوں سے کہا شہہ مُرید نے اپنی منگیتر ہمیں بخش دی ہے۔ وہ بھی کیسے عظیم لوگ ہوں گے کہ انہوں نے شہہ مُرید کے اس حق سے انکار نہ کیا بلکہ حانی کے سر پر نیا دوپٹہ ڈالا اور گویوں کے حوالے کر دیا۔ البتہ حانی نے ایک نظم میں شہہ مُرید کے اس اقدام پر احتجاج کیا ہے مگر اُس حق سے اُسنے بھی انکار نہیں کیا ہے کہ شہہ مُرید کو اُسے کسی دوسرے کو بخش دینے کا اختیار نہیں ہے۔

حانی زہیر نالیں ،فغاں	حانی دُکھ بھری آواز میں فغاں کرتی ہے
کنت گوں اصیلیں مردماں	شرفاء سے پوچھتی ہے
چی ات منی شہہ ءَ گناہ	شہہ مُرید کے نزدیک میری کیا خطا تھی کہ

بخشت منا پہ لانگواں	مجھے گویوں کو بخش دیا
مردے وتی میان ءِ لُو ءَ	(مانا کہ) لوگ اپنے میان کی تلوار
زین ءِ ہزاری مرکب ءَ	زین اور مرکب ہزاری
دنت پہ وتی دشنامی ءَ	اپنی نیک نامی کے لئے بخش دیتے ہیں
ہچ کس چشیں کار ءَ نلنت	لیکن کوئی بھی ایسا کام نہیں کرتا
سنگیں پریں دوست ءَ ندنت	کہ اپنی باوقار محبوبہ کو کسی کو بخش دے۔

چاکر خان اور شہہ مُرید کے درمیان اختلافات کی یہ خلیج اُس وقت زیادہ وسیع ہوگئی جب ایک روایت کے مطابق چاکر خان نے حانی سے نکاح کرلیا۔ اب شہہ مُرید کی شدت غم کا اندازہ نہیں ہوسکتا کہ اُس نے خواب میں سردار چاکر خان کے بارے میں بھی یہ نہیں سوچا ہوگا کہ وہ اسکی ایک بھول کا یا ایک جرات کا یہ بدلہ لے گا کہ اُس سے ہمیشہ کے لئے اُسکی مُحبت چھین لے گا۔ ایک شیئر میں جو حانی کے جذبات کا اظہار ہے یہ حوالہ ملتا ہے کہ حانی کا ایک بیٹا بھی ہے۔ حانی سے پوچھتے ہیں ''اگر کوئی آپکو شہہ مُرید کا پتہ دے تو کیا پائے؟''

حانی نے جواب میں کہا

دُرّا نے دیاں جاڑیناں	میں اپنے دونوں گوشوار بخش دونگی
کنڈیگ ءَ کوانٹ بہائیناں	کئی جوان اونٹوں کی قیمت کا یہ ہار دونگی
پونز ءِ پُلک وگرانزیگ ءَ	ناک کی گلکار اور نتھ
دستے سنگاں ہیبی ءِ	سَی کے بنے ہوئے ہاتھوں کے یہ کنگن

پاد ءِ مارسریں پادینکاں	پیروں میں سانپ کے سروں سے مشابہ کڑے
کل گوں سی ہزار یگنجاں	تیس ہزار گنجینے اور خزائن
چاکر ،گوں گوسلاہ وسنجاں	چاکر، اُس کی زین مرکب اور اسلحہ
بچ گوں گوانزگ ءَ شاگین ءَ	پنگھوڑے سمیت بیٹا
ڈیل ءَ گوں بلوچی ویس ءَ	اپنی قامت پر سجے ملبوس
انگت سر منی قربان انت	اس پر اپنی زندگی بھی نثار کردوں گی

یہ نظم سند ہے کہ سردار چاکر خان نے شہہ مُرید سے چھین کر حانی سے بیاہ کرلیا تھا۔ ''بلوچی کہنیں شاعری'' میں میر شیر محمد مری نے بھی حانی کو چاکر خان کی بیاہتا لکھا ہے۔ تاہم کچھ لوگ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ حانی گویوں سے سردار چاکر خان نے انعام واکرام دیکر حاصل کی تھی لیکن اس خوف سے کہ کہیں شہہ مُرید اپنی لکھ بخشیوں کے زعم میں اس گوہر گرانمایہ کو بالکل ہی کھونہ ڈالے بطور امانت اپنے قلعے میں مغربی برج کے قریب ایک الگ محل میں رکھا۔ بلوچستان میں ''بازو'' کی رسم قدیم سے موجود ہے جسمیں سردار کو یہ اختیار قبائل کی طرف سے تفویض ہوا ہے کہ اگر کسی عوت کا بازو مابہ نزاع ہوجائے تو سردار دونوں فریقوں سے بازو حاصل کرکے اپنی نگرانی میں اپنے گھر میں رکھتا ہے۔ ایسی عورت کو سردار کے خاندان کے ایک فرد کی حیثیت حاصل رہتی ہے تاہ آنکہ اُس کا معاملہ فیصل ہوجائے۔ حانی بھی اسی طرح چاکر خان کے محل میں رہی۔ اس روایت کے حق میں یہ دلیل بھی خاصی وزنی ہے کہ تیس سالہ جلاوطنی سے لوٹ کر شہہ مُرید جب واپس آتا ہے تو سردار چاکر خان یہ کہہ کر حانی اُسکے حوالے

کر دیتا ہے کہ ''تمہاری جانی تمہیں مبارک ہو'' اگر جانی سردار چاکر خان کی منکوحہ ہوتی سردار چاکر خان کے لئے کسی طرح بھی اپنی منکوحہ کسی کے حوالے کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے یہ دونوں روایتیں من وعن لکھ دی ہیں ان میں سے ایک ضرور غلط ہے ۔میرے اپنے قیاس میں شادی والی بات منگھڑت ہو سکتی ہے کہ یہ بلوچی رسم و رواج ،ثقافت اور مزاج کے منافی ہے۔

قصہ مختصر کہ جانی اپنے قول کے مقابلے میں ہار کر شہہ مُرید غم سے دیوانہ ہونے لگا۔ وہ راتوں کو سردار چاکر خان کے قلعے کے گرد گھومتا کہ کسی طرح جانی سے ملاقات ہو بالآخر اُسکی محبت نے قلعہ مسخر کرلیا اور ایک رات کے پہلے پہر وہ جانی سے ملنے میں کامیاب ہوا۔ ابھی یہ دونوں محبت کے مارے ملے بیٹھے کہ کہیں سے سردار چاکر برآمد ہوا۔ شہہ مرید مجبوراً اصطبل میں گھوڑے کی مانند وہیں دبک کر بیٹھ گیا۔ چاکر خان کا شبہ حقیقت میں بدل گیا۔ انہوں نے اس کی سزا یہ دی کہ ایک لمبی سے میخ لیکر اندھیرے میں دیکھ نہ سکنے کے بہانے شہ مُرید کی ران میں ٹھونک دی ''محبت اور عزت کا متوالا بھی اس ہلاکت کو جی کڑا کر کے جھیل گیا۔ دوسری صبح جب دربار منعقد ہوا، سردار چاکر خان نے معنی خیز انداز میں اہل دربار سے استفسار کیا۔

بندے کہ بستہ چاکر ءَ	رند کے قوی حاکم چاکر خان نے
رند ءِ قومی ئیں واژہ ءَ	جب ایک پہیلی بجھانی چاہی
دوشی گروخاں لیب کتہ	''شب گزشتہ بجلیاں چمکی تھیں
میری ءِ چپیں پلوا	قلعہ کے بائیں طرف

کئے واب اَت وکئے آ گہہ ءَ	کون سور ہا تھا کون جاگ رہا تھا؟''

اہل دربار نے تحیر و لاعلمی کا اظہار کیا'' گزشتہ شب بادل تو چھائے ہی نہیں بجلیوں کے کوندنے کا کیا جواز تھا؟ شہہ مُرید اس رمز کا شناسا تھا اسلئے نہایت اطمینان سے جواب میں گویا ہوا۔

دوشی گروخاں سئے بر ءَ	شب رفتہ بجلیاں تین مرتبہ کوندیں
اولی پڑ ءَ شف مہلو اَت	پہلی بار پہلے پہر میں
دومی پڑ ءَ شینکاں جتہ	دوسری مرتبہ کرنیں تڑپیں
سیمی پڑ ءَ شہمال کتہ	تیسری مرتبہ جھپاکا سا ہوا

اس گفتگو کا محاصل یہ تھا کہ میں گزشتہ شب حانی سے ملنے آیا تھا۔ رات کا پہلا پہر تھا۔ حانی نے مجھ سے ملنے کی کوشش کی، دوسری مرتبہ وہ جھانک کر رہ گئی اور تیسرے مرتبہ رنگ و نور کا سیلاب سا آیا۔

یہ جواب سنکر سردار چاکر خان اور دربار کے رند چیں بجبیں ہوئے۔ سردار چاکر خان نے اپنے درباری شہہ مبارک کی طرف دیکھ کر ناراضگی کا اظہار کیا کہ اُس کا بیٹا بھرے دربار میں سردار کے منہ لگ رہا ہے۔ شہہ مبارک نے بھی سردار سے بے ادبی اور شوخ چشمی کو ناپسند کیا۔ اپنا جوتا نکال کر شہہ مُرید پر کھینچ مارا۔ اس تمام واقعہ کو شہہ مُرید نے نظم کیا ہے۔

ایداں کہ رند بد بُرتگ انت	اس موقع پر رند نہایت خفا ہوئے
بدبُرتگ و پاد آتگ انت	اظہار خفگی میں اُٹھ کر جانے لگے

پاد آتگگ و گال آتگگ انت	جاتے ہوئے یوں کہنے لگے
گوشتہ امیریں چاکر ءَ	سردار چاکر خان نے (شہہ مبارک) سے کہا
پُل او مبارک پسگ ءَ	کیا خوب ،مبارک ،تم نے بیٹے کو سُنا
گوں ناروائیں قصگ ءَ	کیسی یاوہ گوئی کی ہے
کشی مبارک لتر ءَ	مبارک طیش میں آئے جوتا نکال کر
جنتی مُرید ءِ چوٹوءَ	شہہ مُرید پر کھینچ مارا(اور کہا)
''بل او مُرید بدفعلہاں	مرید یہ کیا حرکتیں کررہا ہے
بدفعلہاں، بدراہیاں	ایسی حرکتیں ،ایسی گمراہیاں
تہنا سر ءِ گمراہیاں	اپنے اکیلے سر پر
چاکر تئی مَت نہ انت	چاکر خان تیرا ہم رُتبہ نہیں ہے
ذات بلوچ ء واژہ انت	وہ بلوچ عوام کا آقا ہے
پہ ہکل لکھ چڑھنت	اُسکی ایک للکار پر لاکھوں سوار اُٹھیں
سوار و پیادگ بے شمار	پیادوں کا شمار بھی نہیں کیا جاسکتا
دھنز و مجاں تو گار بئے	تو اُن کی دُھول میں گم ہوکر رہ جائے
مارا پچے زید ءَ برے	کیوں ہمیں اس علاقے سے نکلواتے ہو
ہڈاں گریو گور کنے	کیوں پردیس میں ہماری قبر بنواتے ہو

ان تمام نصائح کا عشق پر کچھ بھی اثر نہ ہوا کیونکہ عشق کی اپنی راہیں، اپنی الگ مصلحتیں ہوتی ہیں۔

گاہ بہ حیلہ مے برد، گاہ بزوری کشد

عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب۔۔۔(اقبال)

ان تمام رہنمائیوں اور دل سوزیوں کے جواب میں شہہ مُرید نے جو جواب دیا ہے وہ بلاشبہ شہہ مُرید کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔

ابو منی ، بابو منی	میرے بزرگ میرے بابا
توکہ ندیستہ دوست منی	آپ نے میری محبوبہ کو (میری آنکھوں سے) کب دیکھا ہے
میر ءِ جنگ ماں نرمگاں	امیر زادیاں حریر و اطلس میں
حانی ماں بیدو چیں گداں	حانی سادہ لباس میں بڑھکر ہے
اے دی مناں کہ پہ وتاں	یہ تو میں ہوں کہ اب تک (یہ گوہر گرانمایہ کھو کر بھی)
نیں ڈیہہ ءَ کلاں درکپاں	ہوش میں ہوں ۔ اب یہ علاقہ چھوڑ دوں گا
لترکہ تئ مرداں جتیں	یہ جوتا اگر کسی اور نے مارا ہوتا
بوراں دو دیمی نالتیں	تو رند دوطرفہ للکار کر آمنے سامنے آجاتے
بخشیں کہ عاریفیں پت ءِ	مگر آپ محترم والد ہیں میں نے بخش دیا

شہہ مُرید نے یہاں اپنا اور سردار چاکر خان کا موزانہ کیا ہے اور اس موازنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی معاشرے کی اعلیٰ اقدار سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ اقتدار، دولت اور قوت سے مرعوب نہیں بلکہ اُسکے نزدیک انسان میں ودیعت کردہ اعلیٰ خصوصیات جوہر قابل ہی درخور اعتنا ہیں جو اُس زمانے میں کسی شخص کا جری، نڈر، غیرت

ووفا کے آئین سے باخبر ہونا تھا۔

آں چاکر انت من دی شہاں	وہ اگر چاکر خان ہے میں بھی شہہ مُرید ہوں
من ہم بدیں مردے نیاں	میں کب بُرا آدمی ہوں
آں گوں ہزاران چڑھی	بجا ہے کہ اُسکے جلو میں ہزاروں ہیں
من گوں وتی ہمزادگاں!	میرے ہم نفس میرے ساتھ چڑھیں گے
چم سُہر، عاشق دلبریں!	(اُن کی خصوصیت یہ ہے کہ) خون بار آنکھیں عاشق مزاج
پہ عزت ءِ نام ءَ مراں	عزت کے لئے جان دیتے ہیں
زرینت تنکیں ڈنگرے	اُن کے ہاتھ میں اگر جھاڑی ہو (تلوار نہ ہو)
بند پہ کلاتان نہ ہاں	اسکے باوجود قلعے اُن کی راہ میں حائل نہیں ہوتے

مگر وسائل اور دولت کو اہمیت دینے والے معاشرے میں شہہ مُرید کی یہ تہی مایہ آوازنقارہ صحرا ثابت ہوئی۔ وہ دردِ عشق کا مارا مجبور ہوا، وطن میں رہ کر حانی کا فراق قابل برداشت نہ تھا۔ دل میں رہ رہ کر جوش اٹھتا۔ چاہتا کہ کسی طرح سردار چاکر خان سے دو دو ہاتھ کرے مگر بینوا تھا۔ اس بے نوائی کا اسطرح اظہار کر کے اہل دل کی ایک جمعیت کیساتھ ہو کر زیارت حرمین شریفین کو چل دیا۔

حانی پُر چاڑنت گوں مزن نامیں چاکرءَ	حانی نامور چاکر کی محفل میں مسرور ہے

نے منابرات گوں چاکرءِ دعوائے کناں

میرا کوئی حمایتی نہیں کہ میں چاکر سے دو دو ہاتھ کروں

کوٹءِ پروشان حانی ءِ چہ دستان پچگراں

قلعہ توڑکر اپنی حانی حاصل کروں

زیان ءِ اودل کہ اژگل ءِ ایکیم نہ بے

اے دل ویراں تو اب تک محبوبہ سے مایوس نہیں ہوا

شہہ مُرید دیارِ حرم میں

بیان کرتے ہیں کہ شہہ مُرید تیس سال تک حرمین شریفین میں رہا اور جب بھی اُسے اپنی محبوبہ کی یاد ستاتی وہ اپنے کسی جوڑ پر داغ دیتا تا کہ اُسکی کسک سے وہ بھولی بھٹکی یاد دل سے محو ہو جائے۔ اس طرح اُس نے اپنے ستر جوڑ داغ ڈالے اور حانی کی یادوں کو اشعار کے قالب میں ڈھالتا رہا۔ وہ کعبۃ اللہ میں کبوتروں کی آوازیں سُنکر یہ محسوس کرتا کہ اُسکی محبوبہ حانی نے ان نامہ برمرغانِ ہوا کے ذریعے اُسے پیغام بھیجا ہے۔

جی کپوت سبزیں، مکہ ءِ دربندءِ کپوت

خوشا اے حرم مکہ کے طائر سبز

مکہ ءِ دربندءِ کپوت کوکوءِ مکن!!

مکہ کے طائر خوشنواء نغمے مت بکھیر

نالگ و زنگاں برمنی بالادءِ مجن

اپنی فریاد و فغاں سے میرے دکھ نہ بڑھا

ملگی ڈیلاؤں و پتکیں واب ءِ پاد مکن

میرا سراپا خوابیدہ ہے بیدار نہ کر

ھفیں دشتارءِ پہ کہریں دریاب ءِ کپتگاں

میں اپنی حقیقی منگیتر کیلئے بحر ذخار میں پڑا ہوں

کہریں دریاب ءِ کپتگ و ہفت پشتی شتاں

بحر ذخار میں سات نسلوں تک ڈوبا ہوا ہوں

مئی کپوت سبزیں بیا بروالال ءِ نیمگ ءَ	میرا چشم انتظار ڈھاڈر اور سبی پر مرکوز ہے
زامریں درچکے نیست ثہی شپ درنگے کرے	راستے میں زامر کا درخت نہیں ملے گا کہ تو ستائے
سنگیں بچے نیست وتی بالاں سُودے	نہ ہی دور تک کوئی پہاڑی نظر آئے گی
وبد ناوبدے تو تنا آدیم ءَ رَسے	تاہم مسلسل پرواز کے بعد تو وہاں پہنچ کر جائے گا

پھر وہ قاصد کبوتر سے اس شک کا اظہار کرتا ہے کہ تو اگر میری محبوبہ تک پہنچ بھی جائے تو اُسے کس طرح پہچان سکے گا۔ آ مجھ سے اُس شوخ کی نشانیاں سُن لے۔ اس نظم میں شہہ مُرید نے سراپا نگاری کا حق ادا کیا ہے۔

کوہسری کگے کہ سبک گاماں اِرکنت	کہساروں پہ خوش خرام چکور کی طرح سبک رفتار ہے
لستبیں مارے گریہہ کشتیت پہ گردن ءَ	بے کینچلی کا سانپ جو گردن اونچی اُٹھائے رکھتی ہے
تلی کر گوشکے ہر زماں سرتالاں چریت	دامن کہستاں کا ایک خرگوش کہنا چاہیے
گوات جتیں صیدے کہ مس آسیہ بنداں سُریت	یا آہوئے رم خوردہ جو شکاری کی بو پا کر گریزاں ہو
تروتگلیں آپے کہ پماشا جوآں تچیت	پہاڑی چشموں کا آب خنک کہئے
نودکہ گوارنت حانی ءِ ارس انت تروتگل انت	یہ بادل جو برستے ہیں حانی کے آنسو ہیں

نودکہ بندنت حانل ءِ ریزیں مہپر انت | یہ ابر سیاہ حانی کے گھنے گیسوؤں جیسا ہے

حانی کی حالت زار

یہ تو شہ مُرید کی حالت تھی حانی اُس سے کم دُکھی نہیں تھی۔ اُس نے بچپن سے جوانی تک کا سفر شہہ مُرید کیساتھ طے کیا تھا، دل میں نجانے کیسی آرزوئیں بسائے ہوئے تھی۔ تصور میں کیا کیا جنتیں آباد کی تھیں، یہ سب ایک ہی لمحے میں ایک بات مُنہ سے نکلنے کے نتیجے میں غارت ہوکر رہ گئیں اور نادیکھے گوئوں کی صوابدید پر اُس قہرمان شخصیت کی تحویل میں آ گئی کہ اُسے محبت کے ان نازک احساسات کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ مانا کہ اُسے زندگی کا مجازی عیش و آرام میسّر تھا۔ مگر اطلس و حریر کی سرسراہٹ میں اسکی آرزوؤں نے کس طرح دم توڑ دیا تھا اس لیے وہ صرف نظر نہ کرسکتی تھی۔ جسے حانی نے جب بھی موقع ملا اپنی محبت کا واسطہ دیا اور چاکرخان کی حاکمہان عظمت پر شہہ مُرید کی محبت کو ترجیح دی۔

چاکرتئی سُہر مناز رُدکیں گمز یگ ءَ ورنت

چاکرتئی شہد مئے دپ ءَ جورنت کچلی

دل گنوک انت کہ انگت پما نو جوان ءَ زریت

چاکر تیرے سونے کے زیورات زرد بھڑ کی طرح مجھے ڈستے ہیں اور تیرا مہیا کردہ یہ شہد مُنہ میں زہر بن جاتا ہے۔

یہ دل دیوانہ اب تک اُسی جوان کی یادوں میں محو و مشغول ہے جب حریف طاقتور ہو، مدمقابل کمزور ہو، ناتوان اور بے سیلہ ہو تو دونوں کے درمیان قوت آزمائی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ طاقتور مشق ستم کرے گا اور کمزور زبان مظلومیت سے بددُعا دیگا۔

حانی ایک کمزور عورت تھی، قبائلی معاشرے میں ویسے بھی عورت کے حقوق کا تعین نہیں۔ پانچ سو سال پہلے تو ایک حکمران کے مقابلے میں ماروی ہو کہ حانی ہو بے وقعت اور مجبور محض تھیں اُن کا ہتھیار اُن کے آنسو تھے۔ اُن کی کراہیں تھیں یا پھر اُن کی بددُعائیں۔

حانی خود شاعرہ نہ تھی تہام بلوچ شاعروں نے یا خود شہہ مُرید نے اُسکے جذبات کو شعروں کی زبان دی ہے۔ یہ اشعار بھی شعری اعتبار سے نہایت مؤثر ہیں۔

دوشی سرمنی سنگین اَت	گزشتہ شب میرا سر بھاری ہو رہا تھا
بُرزا ماں چاکری بادگیرءَ	میں قصر چاکر میں بلندی پر بیٹھی تھی
اوداں ماسری ئیں بُرج ءَ	وہ جو سب سے اونچا برج ہے
کوشاں کشتگ بانگواہی !	نسیمِ سحر اٹھلاتی رہی
نوداں شنزتگ بیگاہی	سرشام بادل بھی برس چکے تھے!!
دُرّوں مینست انت گوں بوآں	میرے آویزے بھگوئے، خوشبوئیں بھگوئیں
مہنائیں سریگ گوں بیکاں	میری قیمتی چُنری اور زلفیں بھگوئیں
روچ کہ گواتگر دبیگاہ بیت	دن جب ڈھل جاتا ہے شام آتی ہے
دل بُریں زہیروں نیلنت	دل چھیدنے والی یادیں گھیر لیتی ہیں
کپتوں ترانگ ءَ شاہیگ ءَ	میں بھی شہہ کی یاد میں کھوگئی
ارسوں گل گل انت ماں چماں	آنکھیں بھر بھر آئی ہیں
چو بشامی نگورتیں ہوراں	ساون بادوں کے اُن بادلوں کی طرح
گوارنت و نہ پرنت ہچبر	جو جھڑی لگا دیتے ہیں

چاکر تئی میر بنگرات	چاکر تیرے قصر میں آگ لگے
لوگ ءَ تئی آسے کپات	تیرا گھر جل کر خاکستر ہو
بورءَ تئی دزے براَت	تیری گھوڑی چوروں کے نصیب ہو
دست ءِ کمانت گار بات	ہاتھ کی کمان گم ہوجائے
دل چہ گناہاں باربات	تیرادل ہمیشہ گناہوں کا زیربار ہو

مراجعت

الغرض ہجروفراق، غم واندوہ میں دونوں محبّ ومحبوب نے تیس سال بتادیئے اور شہہ مُریدفرقت کے ہاتھوں نیم جان ہوکر بالآخر اپنے وطن کی طرف لوٹا۔ اپنے غم فرقت کی وہ اس طرح تصویرکشی کرتا ہے۔

دوشی سمین ءَ شیلگگ	شب رفتہ نسیم مکران کی
اچ مکران ءِ پلو ءَ	جانب سے سسکتی ہوئی آئی
حانی زباد بوئیں منا!	مشک عنبر سے معطر مری حانی
نیلیت مس باگہیں مکہّ ءَ	مجھے مکہ مکرمہ کی گل بداماں زمین پر بھی چین نہیں لینے دیتی

محاکاتی یاتخئیلاتی شاعری

اس داستان میں چند شعر محاکاتی کہے جاسکتے ہیں جو تصور کی طاقت سے موزوں کئے گئے ہوں گے مثلاً شہہ مُرید ملک سے رضا کارانہ طور پر جلا وطن ہوتے وقت درویشوں کی جمعیت کیساتھ ہولیا تھا۔ حانی نے اُسکی اُسی ہئیت کو پیش نظر رکھ کر عالم تصور

میں اُس سے اسطرح ملاقات کی کہ اُس کے دروازے پر ایک درویش کھڑا ہے۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں لپٹا ہوا۔ مگر چہرے مہرے سے شبہ مُرید سے مشابہ ہے حانی اُس سے پوچھتی ہے۔

کائے مکہّ ءِ دربندءَ	آپ تو درمکہّ سے آرہے ہیں
گل کن دے منا احوالے	مجھے یہ خوشخبری سنادیجئے
میاَ ئے ندیستے چوشیں	وہاں آپ نے کوئی ایسادرویش بھی دیکھا
بچو کہ تئیں ورنائے	جو آپ سے مشابہ جوان ہو

حانی کی زبان سے اپنے لئے محبت، چاہت اور توجہ کا سنکر شبہ مُرید کا چہرہ کھل اُٹھتا ہے مگر وہ خود کو چھپائے رکھنا چاہتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اُسکی حقیقت سے آگاہ ہو وہ جواب دیتا ہے۔

میاَ مکہّ ءَ سک باز انت	درویشوں کی مکّہ مکرمہ میں کمی نہیں
دریا مس تہہ ءَ بیگواز انت	بحرِ ذخار کی گہرائیوں کو کون پا سکتا ہے
ملے چوشیں مرد پراوداں نیستیں	تاہم مجھے اس شباہت کا وہاں کوئی نہیں ملا
کہ نامے شبہ مُرید وتیگ انت	جو شمشرزن شبہ مُرید کی پہچان بنتا

اسی تصوراتی عالم میں حانی در پر آتے ہوئے (شبہ مُرید سے مشابہ) درویش کو کاسہ بھر کر اناج دیتی ہے اور درویش یہ بھیک لوٹاتے ہوئے کہتا ہے۔

بی بی !من نزیراں دان ءَ	خاتون! مجھے اناج نہیں چاہیے
میائے نیاں داں پنڈیں	میں اناج مانگنے والا بھکاری نہیں ہوں

''منی چم گوں کیگدءِ دُرّاں انت	میری آنکھیں محبوبہ کے آویزوں میں گڑھی ہوئی ہیں
پمن پلکیں چُنڈے بیار	میرے لئے (البتہ) اپنے ہاتھ کی پکی ہوئی لے آ
لوگھاڑیں سرءِ شودوکان	اور وہ پانی جسمیں تو نے اپنے معطر گیسو دھوئے ہوں

ایسے ہی تخئیل کی مدد سے حانی سردار چاکر کان کے قلعے میں رہ کر اُس منظر کا نظارہ کرتی ہے جب حرمین شریفین سے حجاج کا قافلہ لوٹ کر سمندری جہازوں یا کشتیوں کے ذریعے ساحل پر اترتا ہے۔ وہ عالم تخئیل میں دیکھ رہی ہے۔

شہہ چہ بوجی ءَ ایر کپتہ	(وہ دیکھو) شہہ مُرید کشتی سے اُتر رہا ہے
بوجی ناخدا ءَ گپتہ!	اور کشتی ملاح نے لے لی ہے
دیم پہ کعبتہ اللہ رپتہ	اُس کشتی کا رخ دوبارہ کعبتہ اللہ کی طرف ہے

بہر حال تیس سالوں کی طویل مدت گزار کر شہہ مُرید وطن لوٹتا ہے۔ اپنی بستی میں پہنچ کر اُسکے قدم ایک نظارہ دیکھنے کے لئے رُک جاتے ہیں۔ بستی میں رند ایک مقام پر جمع ہو کر خوشیاں منا رہے ہیں (یقیناً یہ تاریخی میلہ سبی کا حوالہ ہے) جوان تیر و کمان لئے نشانہ بازی کر رہے ہیں۔ شہہ مُرید کو اپنی جوانی یاد آتی ہے کہ وہ بھی ایک ماہر نشانہ باز، تلوار کا دھنی اور حربی صلاحیتوں کا مالک رہ چکا ہے۔ وہ ایک جوان سے کہتا ہے ذرا اپنی کمان ہمیں بھی دیجئے۔ ہم بی ایک نشانہ آزمائیں کمان ہاتھ میں لیکر تیر جوڑتا ہے اور چلہ

کھینچتے ہی کمان ٹوٹ جاتی ہے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے اٹھارہ کمانیں آزماتا ہے مگر کوئی ایک بھی اُسکے قوت بازو کی تاب نہیں لاسکتی۔ اس سے رندوں کو یہ شک گزرتا ہے کہ کہیں یہ شہہ مُرید تو نہیں۔ وہ چلا کر کہتے ہیں "جاؤ شہہ مُرید کی کمان لے آؤ" یہ کمان لائی جاتی ہے۔ شہہ مُرید اپنی کمان اور اُسکی خستگی دیکھ کر نہایت غمگین ہوتا ہے۔ اپنی آنکھوں سے لگالیتا ہے اور پھر ایک کے بعد ایک تیر ہدف پر جا لگتے ہیں۔ لوگ انہیں پہچان لیتے ہی۔ اُسکے ماں باپ کو خبر دی جاتی ہے۔ سردار چاکر خان اور حانی کو خبر پہنچتی ہے۔ سب حانی سے اصرار کرنے لگتے ہیں کہ تمہاری محبت صادق ہے تو شہہ مُرید کو پہچان لو۔ حانی اُسے زخم کے ایک نشان سے پہچان لیتی ہے جو بچپن ہی میں حانی کے ہاتھوں شہہ مُرید کو لگا تھا۔ سردار چاکر خان حانی شہہ مُرید کے حوالے کردیتا ہے وہ محبت کے دونوں متوالے ایک تیز رو سانڈھنی پر بیٹھ کر روانہ ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں وہ زندہ جاوید ہیں۔ شہہ مُرید کی وطن مراجعت اور پیش آنے والے بعد کے واقعات تسلسل سے اس نظم میں موزوں کئے گئے ہیں۔

روچے کہ من واز گرد کناں
من گوں ملنگی گھوروے
کایاں پہ رندی بولکے
رنداں کمان و شادہ انت
جاڑیں کہیرانی بُن ءَ
رندان نشانے اڈتہ

بالآخر ایک روز میں درویشوں کی
ایک جمعیت کے ساتھ لوٹ کر آ گیا
رندوں کی ایک بستی سے گزرا
رند خوشیاں منا رہے تھے نشانہ بازی ہو رہی تھی
دو جھاڑیوں کے درمیان انہوں نے
ایک ہدف مقرر کردیا ہے

بلُبیں دل ءَ بچّے کتہ!
بابو منا تیرے بدے
منہ گندل ءِ دیما جناں
روح ءَ وتی راضی کناں
رندی کماں رنگ داتگیں
یکے نیاورت ڈہ منی
ہژدا کماں بھوریتگاں
واژہ دلانی، دیرواں
پچہ نیار نت پے منا
رند پروتاں گال آتلگنت
شبہہ ءَ چہ اے مرد رو نہ ایں
بیارے مرید خان ءِ جگ ءَ
آرتھیئش منی لوہیں کماں
دیتہ من وگریتہ دل ءَ
بے بے کتہ ھیسی سرءَ
"واژہ منی شاہی بتیں
تیر پہ تئی گیگ ءَ نہ انت
ھیسان و دھنزن گپتہ گنت

میرے دل میں ایک ولولے نے سر اُٹھایا
بھائی ایک تیر مجھے بھی دینا
میں بھی نشانے پر ایک تیر چلا کر
اپنا دل خوش کرلوں
رند کی رنگیں کمان میری تاب نہ لاسکی
ایک کے بعد ایک
اٹھارہ کمانیں توڑ ڈالیں
میرے آقا! بستی کے لوگ
مجھے پھر بھی نہ پہچان سکے
رند آپس میں کہنے لگے
شبہ مُرید کے سوا یہ شخص اور کوئی نہیں ہوسکتا
آؤ مرید خان کی کمان لے آئیں
میری آہنی کمان لائی گئی
جسے دیکھ کر میرا دل خون رویا
وہاں تنہا میں ہی ایک دل زار تھا
(کمان نے کہا) اے میرے شاہانہ مزاج کے آقا
یہ تیر اب تیرے کام کے نہیں رہے
ان پر زنگار چڑھ چکا ہے کہ

چیر بانڈ مانی کپتگ انت"
لیڑے فقیری لانچوں
داں ہفت بر ءَ زیارت کتوں
ہفت تیر جتت پہ گنڈل ءَ
یکے دومی ءَ رہ بُرتہ
مات ءَ چہ کل ءَ سار گتہ
مات ءَ گوں آریفیں پت ءَ
دائی تشان ءَ رپتہ گنت
بیاکہ شہہ آتکہ گیہلیں
آں چوٹوے وراش چنگت
بُرزچہ تیزاں گوستہ گنت
نہہ لکھ ہارے مس گور ءَ
دات حانی ءَ مستاگرءَ
اُنہار ،زنار پوشتہ
لڑماں گور ءَ بازار کتہ .
حانی گوشی دُرداکیں
درداتگ ونگیں پریں
ماکہ کسانی لیب گتہ

یہ بے توجہی کے شکار رہے ہیں
میں نے دل میں کرامت شہی جگائی
سات مرتبہ تیر و کمان چوم کر
سات تیر نشانے پر مارے
ایک نے دوسرے کی تصدیق کی
(تیروں کی آواز سنکر) ماں کے حواس باختہ ہوئے
ماں کے بھی اور باپ کے بھی
کنیزیں دوڑتی ہوئی (حانی کے پاس) گئیں
آؤ! شہہ مُرید آیا ہے
مگر اُسکے بال بڑھے ہیں۔ تمیز سے باہر
وہ پہچانا ہی نہیں جاتا
حانی بن سنور کر نولکھا ہار پہنے تھی
ہار اُس نے مژدہ گر کو بخش دیا
خود بن سنور کر
ہارسنگھار کرکے آئی
حانی درنگین کا کہنا تھا
اُس باوقار حانی کا
کہ ہم بچپن میں کھیلے ہیں

دستے قضا مۓ درزتہ
نکے ابر بروانگے ءَ
لوڈاں مریدیں پُل گدیں
لوحیں کمانے واژہ انت
صد دروشماں یکے نہ جنت
گوشتہ امیریں چاکر ءَ
"حانی مں بخشا تہ ترا"
گالے مرید دیوانگ ءَ
دیوانگ و مستانگ ءَ
دانکو کہ پکار ات منا
کوہیں دل ءَ ترس نکت
درماں جنوکیں رتلگاں
من حال ءِ گیگ ءَ نیاں
دانکو کہ گیدی زندگیں
شہہ مُرید مست و بڑھیں

حادثاتی طور پر میری انگوٹھی کا زخم آیا تھا
وہ زخم ابتک ابرو پر موجود ہے
یہ خرام بالکل شہہ مُرید کا ہے
اُس کا جو آہنی کمان کا مالک تھا
اب سینکڑوں خصوصیتوں سے ایک بھی نہیں رہی
سردار چاکر خان کہنے لگے (شہہ مُرید)
حانی میں نے تمہیں بخش دی
شہہ مُرید گویا ہوا دیوانہ وار
دیوانہ اور مستانہ تو وہ تھا ہی
جب تک اسکی مجھے حاجت تھی
آپ کا پتھر دل نہیں پگھلا
اب قویٰ میں اضمحلال آگیا ہے
میں حانی کے کب قابل رہا ہوں
(تاہم) جب تک یہ جہاں باقی ہے
شہہ مُرید زندہ و جاوداں ہے

بی برگ وگراناز

بلوچی داستانوں کا یہ باب سینکڑوں ابواب پر بھاری ہے کہ اسمیں بلوچستان کی اُس مایہ ناز شخصیت کا ذکر ہے جسکی ہمہ پہلو شخصیت کسی ایک پیمانے میں ناپنے کی نہیں ہے۔ یہ ہستی بلوچ مشاہیر میں بی برگ رند کی ہے جو بیک وقت جرأت و سرفروشی کا آسمان، سخاوت و فیاضی میں یکتائے زمان، شعر وسخن میں دُرِّ بیان، حُسن و عشق کی جان رہاہے۔ تدبر میں فلاطوں ثانی، خوش پوشی، خوش فکری و خوش کلامی بلاشبہ اُس پہ نازاں ہیں۔ وہ اپنی شخصیت کا پیمانہ یہ کہہ کرخود مقرر کرتا ہے کہ۔

مرد بلوچ انت کہ تاں مئی زان انت

''اگر کوئی واقعی بلوچ ہونے کا مدعی ہے اُسکا قد میرے گھٹنوں تک ہے'' کسی اور سے تقابلی کا کیا مقام۔ مگر یہ نرا دعویٰ نہیں۔ اس نابغہ روزگار نے اپنے کارناموں سے یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ وہ اپنے اس دعوے میں صادق ہے۔

تیر مئی چیار انت۔ لیرہی بار انت

ہشتاں تا گھاڈوے بکیڑ ین انت

شانزدہ انت دلی ترک دل الکیم انت

''میرے ترکش میں اگر صرف چار تیر ہوں تو جوان اونٹ کا بار بن جائیں۔ اگر یہ تیر آٹھ ہوں تو ایک دستہ اُن کی تاب نہ لاسکے۔ سولہ ہوں تو دہلی کے ترک جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں''۔

یہ ضیغمِ کہستان، سردار چاکر خان کی بہن بی بی مدی اور میر بہار خان کے نامور

فرزند تھے۔ اُن سے منسوب داستانوں کا شمار نہیں ،تاہم بی برگ رند نے اپنے جن کارناموں کو حیات جاوداں دی ہے اُن میں گراناز سے اُن کی محبت اور ھصول ،صدو سے تعلق ارملی سے والہیت اُن کے شاعران ذوق کی عکاسی اور بانکپن کا اظہار ہے۔ ان پیار محبت کی کہانیوں کو اس لئے آغاز داستان میں مہک دی جارہی ہے کہ ان میں بی برگ کے خیالات اور زندگی کے دوسرے گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

شہزادی گراناز سے بی برگ کی ملاقات

جب گوہر کے اونٹنیوں کے تنازعہ پر رند اور لاشاری قبائل باہم برسر پیکار ہوئے اور حلیف قبیلوں نے اُن کا ساتھ دیا تو لاشاریوں کو وقتی طور پر کامیابیاں ہونے لگیں اور رند سردار چاکر خان کو تشویش لاحق ہوئی۔ انہوں نے ایک مرحلے پر خود افغانستان کا دورہ کیا اور افغانستان کے حکمران امیر شجاع الدین زنون سے فوجی معاونت کی درخواست کی۔ یہ مذاکرات ایک عرصے تک چلتے رہے۔ ایک مرتبہ تو افغانستان کے حکمران نے۔۔۔نام کے اپنے ایک سپہ سالار کو پانچ سو سپاہیوں کی کمان دیکر رند سردار کی مدد پر مامور بھی کیا مگر عین میدان حرب میں اپنی مصلحتوں کے تابع اُسنے پیٹھ دکھائی۔ انہی معاملات کی دیکھ بھال اور مزید رابطوں کے ءلئے سردار چاکر خان رند نے اپنے لائق بھانجے کو مقرر کیا۔ بی برگ جب قندھار کے لئے تیار ہوا تو اسکے ذہن میں سردار چاکر خان کا ایک قول جاگزین ہو چکا تھا۔

ذی منا میریں چاکر ءَ گوشتہ	کل مجھ سے میر چاکر خان نے کہا تھا
شمبری سودایاں ترسیتیں	اب کی مرتبہ داؤ لگانے میں تیرا فائدہ ہے

من جنے سیاہ مار چوٹویں دیستہ	میں نے ایک حسینہ کالے ناگ جیسے بالوں والی دیکھی ہے
ھندے ماں میری ہفتمی محل ایں	جو قلعہ کے ساتویں منزل پر متمکن ہے

سردار چاکر خان کو بی برگ کی حُسن پرستی، شاعرانہ خوش فکری کا اندازہ تو تھا ہی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بی برگ کسی وجہ سے قندھار جانے پر آمادہ نہ تھے۔ اُنہوں نے بی برگ کی نفسیات کا اندازہ کرنے کے بعد اُنہیں افغانستان جانے کی ترغیب دی ہوگئی کہ وہاں اُسنے ایک ایسی مہہ پیکر دیکھی ہے جس کے لئے جان کی بازی لگانا خسارے کا سودا نہیں ہے۔ سبب کچھ ہی کیوں نہ ہو بی برگ اپنی ہیرزئی گھوڑی پر تن تنہا قندھار پہنچے۔ جن خدشات سے بی برگ قندھار جانے میں متامل تھے شاید انہی کی بناء۔ پر بی برگ قندھار میں گرفتار ہوکر زندان میں پہنچے۔ ان اسباب کی دقت نظر سے تحقیق کی گئی ہے۔ مگر معاملہ کھل کر سامنے نہیں آتا کہ گرفتار کی وجوہات کیا تھی بی برگ کے کلام سے بھی کسی طرح وضاحت نہیں ہوتی اسلئے گرفتاری اور قید پر رائے زنی کئے بغیر ہم داستان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قید خانے کا محل وقوع بی برگ کے اشعار کی رُو سے شاہی محل کے آس پاس تھا۔ اور شاہی محل کی بلندیوں سے اگر کوئی جھانکتا تو قید خانے کے قیدیوں پر نظر پڑ سکتی تھی۔ بی برگ قید و بند کے دوران اپنے درد بھرے اشعار آواز بلند الاپتا تو آواز شاہی محل کے در و بام سے ٹکرا جاتی۔ اس سے شاہی محل کے باسیوں کو کوفت اور بے آرامی ہوتی رہتی۔ شہزادی گرانا ز نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس بلوچ قیدی کو رہا کر دیا جائے کہ ہمارے آرام اور ہماری نیند میں مخل ہو رہا ہے۔ یہ تمام باتیں بی برگ نے اپنے اشعار میں

نظم کی ہیں۔

قندھار باگیں یک مراگاہے!	قندھار! باغوں کی سرزمین جہاں میلہ سالگا رہتاہے
مردو بورانی ھندو جاگاہے	مردوں اور گھوڑوں کا ہجوم سمٹ کرآتا ہے
سرمنی کپتہ حاکی کیزاں	میرا گزر ہوا اور گفتار ہوکر حاکم کی قید میں پہنچا
بادشاہانی تاڑو تیلانکاں	بادشاہوں کے غیض و غضب کا شکار ہوا
مادی پہ سیتانے جنوں شعراں	دوران قید ہم درد بھرے نغمے الاپتے
گوں مغل کوٹھی بستگیں مرداں	مغلوں کے مقید دوسرے قیدیوں کیساتھ
عرض کتہ رانی ءَ گورے حزمان	شہزادی نے اپنے باپ بھائیوں سے عرض کیا
اے چہ کسے کہ ماں شمے کیزاں؟	یہ کون شخص ہے جو آپکی قید میں ہے
نیم شفاں ظلمی زارہاں کھلی	آدھی آدھی رات کو فغاں برلب رہتاہے
مارا چہ واب ءِ شادہاں کھشی	ہماری تو اس نے نیند حرام کررکھی ہیں

بادشاہ نے شہزادی کی درکواست قبول کرتے ہوئے بی برگ کو قید سے رہا کردیا۔بی برگ اس واقعے کوخود بیان کرتاہے۔

سرمنی بتکہ حاکی کیزاں!!	بالآخرمیں حاکم کی قید سے رہاہوگیا
پادچھڑیابنت چہ زیل رمزیراں	ہاتھ اور پیر زنجیروں سے آزاد ہوگئے

اب اُس نے گھوم پھر کر قندھار اور اُس کا شہر دیکھا اور ساتھ ہی محل کی وہ کھڑکی اُسے نظر آئی جس سے ایک حورشمائل حسینہ جھانکتی تو رنگ ونور کی بارش ہوجاتی۔اُس نے

اندازہ کرلیا کہ یہ ایک غیر معمولی شخصیت ہے۔ اس واقعے کو بھی وہ اپنے کلام میں بیان کرتا ہے۔

قندھار باگ ءِ یک اناگاہے	باغوں کی سرزمین قندھار میں شہر میں گھومتے ہوئے
جُلگہاں دیتوں دوست وتی ماہیں	اچانک میں نے چاند جیسی محبوبہ کو دیکھا
لفظ نارسی ءَ گواں جتہ لال ءَ	فارسی زبان میں اُس دُرِّنایاب نے مجھ سے کہا
جُہد اشتاپی بیا بلوچ بالا	جسقدر جلد ہو سکے محل میں اوپر آ کر مجھ سے ملیں

شہزادی کی یہ دعوت بی برگ کے لئے ایک چیلنج بن کر رہ گئی۔ اسلئے نہیں کہ اُس کا شہزادی ہونا بی برگ کے لئے متاثر کن تھا۔ کیونکہ وہ تو خود اپنے ملک کا شہزادہ تھا ان گنت شہزادیوں کے دل کی دھڑکن تھا۔ بلکہ اس لیے اہم تھا کہ جرأت، دلیری، جانبازی اور سرفروشی نے مقابلے کے لئے اُسے للکارا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ مردانگی کے اس امتحان میں جان جانے کے خوف سے بھاگ کھڑا ہو۔ وسائل کی کمی ضرور تھی، نہ کمان نہ اسلحہ صرف ایک جان تھی۔

اک جان تھی پاس ،سوجاں لیکر	ہم تیری گلی میں آنکلے

بی برگ جو رزم کا دھنی تھا، جرات وہمت میں بیمثل تھا اُسنے اس دعوت کو قبول کرلیا۔ بلند وبالا شاہی محل پر ایک نظر ڈالی اپنے منصوبے کو آخری شکل دیکر وہ لوہار کی دکان پر گیا۔ وہاں چند لبی اور نوکیل میخیں بنوائیں اپنی ہیرزئی گھوڑی کو ایڑ لگاتا ہوا شاہی محل کے قریب پہنچا۔ شاہی محل کے پہرے داروں نے روکا۔ اُسنے جیب سے کچھ اشرفیاں نکال کر اُنہیں خاموش کردیا۔ شہزادی گراناز کی خواب گاہ ساتویں منزل پر تھی۔ بی برگ کا عزم آہنی

میخوں کی شکل میں مضبوط قلعے میں گھڑنے لگا اور وہ بلندیوں کی طرف محوسفر ہوا۔

من دی گور لوہار ءِ رواں نندا ں
ئے وچار شِلیں مہہ گھڑائیناں
نیں کہ من ماڑی ءِ بُنا کایاں
گپتغاں جاگو خان اُملیغاں
ئے و چار سُہریں اشرفی کشاں
زیرنت زراں و جہل جنت چماں
آ کڑان ءِ پہ آہنی میخاں
پہ تلاران و پاشنی راہاں

میں لوہار کے پاس جابیٹھا
تین چار نوکیلی میخیں بنوائیں
جب محل کے صدر دروازے پر پہنچا
شہزادی کے پہرے داروں نے روکا
تین چار اشرفیاں نکالیں
اشرفیاں پا کر انہوں نے آنکھیں جھکالیں
میں آہنی میخوں کے سہارے محل پر چڑھتا رہا
اسطرح جیسے چٹانوں پر پہاڑی بکرے چڑھتے ہیں

من کہ ماڑی ءِ نیم گور ءِ کایاں
جاں منی شیہی ہر پھراں ژرتہ

جب میں محل کی نصف مسافت طے کر چکا
میرے جسم میں سنسنی دوڑنے لگی سر چکرانے لگا

ھکلے داتوں دل خیالاں ءَ
گند نواں چنڈاں سرمڑاہانی
چنڈگ ءَ بالاد ءَ برائینے!!

میں نے اپنے دل سے ڈانٹ کر کہا
دیکھنا عظمتوں کے سر نہ لہرا جائیں
ورنہ عظمت و عزت ہمیشہ کے لئے کھو جائے گی ۔

اس مشکل امتحان سے گزر کر بی برگ بالآ خر اُس دریچے تک جا پہنچا جو شہزادی گراناز کی خواب گاہ میں کھلتا تھا۔ بی برگ اس دریچے کی راہ سے دھم سے شہزادی گراناز کی خواب گاہ میں کود پڑا۔ شہزادی جو محو استراحت تھی اس آواز سے جاگ اُٹھی اور گھبرا

کرشب خوابی کے لباس میں اُٹھکر کمرے کے ایک کونے میں کھڑی ہوگئی۔ بی برگ نے ان واقعات کو نظم کیا ہے۔

اژ منی پادرفش ءَ مزاری ءَ	میرے شیرانہ پیروں کی چھاپ سے
تراس کتہ زنزیر مہریں دوست ءَ	گھنیرے زلفوں والی محبوبہ گھبرا کر اُٹھی
کٹ اشتی گوں بخملیں نوف ءَ	پلنگ اور مخملیں بستر چھوڑ کر
دیر لرزیت ماں یک گدھ ءِ توخ ءَ	وہ ایک چادر میں دُور کھڑی کانپ رہی تھی
''گھبرو تقدیراں ترا آڑتھہ	(اور کہتی تھی) اے جوان تیری موت تجھے
	یہاں کھینچ کر لائی ہے
ترک تئ گھگیریں سر ءَ گڈانت	ترک تیری مغرور گردن کاٹ کر
ماں حریوی دروازگ ءَ ٹنگنت	باب ہرات پر لٹکا دیں گے

بی برگ اس مایوس کن مکالمے سے ذرا بھی نہ گھبرایا اور اپنا تعارف ایسے پیرائے میں کراتا ہے۔ جو ایک سورما کو بجتا ہے۔

آں مزار بیمیں رند منا بُجت	میں اُن شیر جیسی ہیبت کے مالک رند
	وں کا احساس کرتا ہوں
چاکر ءَ ایرانی نریاں زُونگیں	چاکر خان اور ایران کے مُنہ زور گھوڑوں کا
کئے منی سانڈھی گردن ءَ گڈیت	کون ہے جسے میری مغرور گردن کاٹنے
	کی جرات ہوگئی
ماں ھریوں دروازگ ءَ ٹنگیت	اور باب ھرات پر لگا کنے کا یارا ہوگا
من نیں ٹیکاں چہ شدُ کیناں	میں بھوک اور افلاس کا مارا کوئی ڈاکو نہیں
	ہوں

کارچ کش انت و گرد بنت میش ءِ	جو چھرے کی طاقت پر بھیڑوں کی تاک میں گھومتے ہیں
من ہما بی برگ آں کلامانی	میں شہرہ آفاق سخنور بی برگ ہوں
تو منی بیلی ءِ سلامانی	تو نامہ و پیام والی میری محبوبہ ہے
قول ترا ماری ءِ بُن ءَ دانتوں	یاد ہے میں نے شاہی محل کے قریب تجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا
نیں وتی قول ءِ موگگ ءَ آتکوں	میں اپنا وعدہ پورا کرنے آیا ہوں

ان مکالموں کے بعد شہزادی گراناز نے اس بہادر بلوچ کی بہادری کی اعتراف میں تاحیات رفاقت قبول کی اور وہ دونوں فرط محبت میں ایک دوسرے میں اسطرح سما گئے کہ دوری کا تصور نہ رہا۔

واس گرنت ڈالشاہیں بروت رکاں	بڑی بڑی مونچھوں نے جھک کر لبوں پر مہر محبت ثبت کردی
تووخ دئینت بوریں چادر ءُ چُنی	چادر اور دوپٹہ آپس میں لپٹ گئے

بلوچستان کو مراجعت

مندرجہ بالا شعر میں بی برگ نے سخنوری کا کمال دکھایا ہے۔ بلوچوں میں مرد کی ایک پہچان داچڑ ہے جو وہ ہمیشہ اوڑھے رکھتا ہے۔ عورت کی علامت دوپٹہ ہے ان دونوں کا ملاپ نہایت حسین پیرائے میں بیان ہوا ہے۔

بہرحال راز و نیاز کے دوران شہزادی نے بی برگ پر یہ انکشاف کیا کہ بادشاہ کو اپنی اس بیٹی سے بہت پیار ہے۔ اگر ان کے تعلقات کی بھنک بھی اسکے کانوں میں پڑ گئی

تو دونوں کو جیتا نہیں چھوڑے گا۔اس کا شہزادی نے حل یوں نکالا۔

مکالمہ۔۔۔۔

بی برگ او وڈیرہ مڑاہانی	شان والے معزز بی برگ
گوں من ءَ شاہ ءِ دوستیے زیاتی	بادشاہ کو مجھ سے غائت درجہ الفت ہے
گند نواں ڈاہ گپتی اناگاہ ءَ	کہیں اُس کے کانوں میں بھنک پڑی
ہردوناں نیلیت زندگ و دُراہ ءَ	تو ہم دونوں کو جیتا نہ چھوڑے گا
اگہ ترا مردی تو کلے مان انت	اگر آپ میں حوصلہ مردانگی ہے
ماراوتی ڈیہہ ءَ پہ برگ جوان انت	تو یہ ملک چھوڑ دینا بہتر رہے گا
بروں ہموداں کہ ملک بلوچی ئیں	آؤ وہاں جا بسیں جہاں بلوچوں کا وطن ہے
ملک بلوچی ئیں شہر سیوی ئیں	بلوچوں کے وطن، سبی میں جا کر رہیں

دونوں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ بی برگ شہزادی گراناز کو محل سے نکال لایا دونوں تیز رو گھوڑی پر بیٹھے اور بلوچستان کی راہ لی۔ باتوں باتوں میں شہزادی گراناز نے بی برگ سے یہ معلوم کرلیا کہ بلوچستان میں اُن کی قوت کیا ہے۔ بی برگ بتاتا ہے۔

چہل ہزار رند گوں بارگیں بوراں	چالیس ہزار رند شہسوار ہیں
سی ہزار میر عالی بہادر انت	تیس ہزار میر عالی بہادر ہیں
دہ ہزار راپچی دی منی گوانک ءَ	دس ہزار ملحقہ قبائل ہماری آواز پر اُٹھتے ہیں
پنجاہ گوں گہرام ءِ لڑیں تیغ ءَ	پچاس ہزار تلواریں سردار گہرام خان کی ہیں

شہزادی نے پوچھا ان میں سے کون آپ کا دوست کون دشمن ہے؟ بی برگ

بتاتا ہے۔

چاکر مئے دوستیں گہرام مئے دژمن	چاکر خان ہمارا دوست اور گہرام دشمن ہے

شہزادی گراناز نے تجویز کی۔ ''آؤ دشمن کی پناہ لیں، دوست کو خود قرار نہیں آئے گا''۔

بیاروؤں گہرام ءِ لڑیں تیغ ءَ	آؤ گہرام خان کے ہاں چل کر پناہ لیں
چاکر ءَ آرام نہ ایت لوگ ءَ	چاکر خان کو خود گھر پر چین نہیں آئے گا

درہ بولان کے دہانے پر پہنچ کر بی برگ نے باگیں موڑ لیں اور سردار گہرام خان لاشاری کے ڈیرے پر جا پہنچا۔ ہر چند کہ رند اور لاشاری قبائل کے درمیان شدید مخالفت تھی، عداوت اور رنجشیں اپنی جگہ، مہمان نوازی اور پناہ دہی کی عظیم روایات کے احترام میں سردار گہرام خان لاشاری نے بی برگ رند کا شایان شان استقبال کیا۔ بی برگ نے بلوچی ''حال احوال'' میں تمام ماجرا گہرام خان کے گوشگزار کیا۔

گوشتگاں گہرام خان مڑاہانی	(میں نے کہا) گہرام خان محترم
آواردں گون انت بادشاہانی	بادشاہوں کا مال غنیمت لئے ہوئے ہوں
اگہ منا دارے گوں تراءَ نداں	اگر آپ پناہ دینگے میں آپکے ہاں رہوں گا
اگہ ندارے من تئی پڑے گنداں	ورنہ کوئی اور میدان دیکھوں گا
میر مزن نام وتیغ سپاہانی	آپ نامور میر بھی ہیں اصفہانی تلوار بھی ہے
گون انتوں آوار بادشاہانی	مگر میں بادشاہوں کا مال غنیمت لئے ہوں

سردار گہرام خان لاشاری کی رگوں میں بلوچوں کا خون موجزن تھا۔ غیرت و حمیت کو وہاں اولیت حاصل تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اس قدام کے نتیجے کے بعد اُسکے تعلقات

افغانستان کی حکومت سے خراب ہوں گے۔ بادشاہ کے ساتھ جنگ کی نوبت آ سکتی ہے۔ خود جو پناہ جو ہے وہ دشمن ہے مگر ان تمام واقعات کے باوجود بلوچی روایات کا احترام واجب تھا۔ سردار گہرام خان نے شان مردانگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خوش آمدید کہا۔

بیا کہ بیایاتے میر بلوچانی	خوش آمدید بلوچوں کے سربرآوردہ میر
گوں وتی دوست ءَ حیر و امانی	ہم آپکو آپکی محبوبہ کو امن کی ضمانت دیتے ہیں
پہ بلوچی ئیں چتر ءِ ننگ ءَ	بلوچی ناموس و روایات کے احترام میں
بادشاہ ءَ گوں من دیان جنگ ءَ	ہم وقت آنے پر بادشاہ سے بھی لڑیں گے

اپنے معزز مہمان کا نہ صرف شایان شان استقبال کیا بلکہ اُن کے رہنے کو الگ سے ایک شائستہ مکان، فرش وفروش اور شاہانہ انتظام بھی کر دیا۔ مگر شہزادی گراناز کے حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُس نے دیکھا کہ سردار گہرام خان کی جانب سے جیسی بھی ضیافت آتی بی برگ نہ خود اس میں سے کھاتے نہ ہی شہزادی گراناز کو کھلاتے۔ بلکہ در پردہ ایک میمن سے راہ ورسم کر لی تھی جو شاہی جوڑے کے لئے تمام لوازمات فراہم کرتا تھا۔ شہزادی گراناز نے جب اسکی وجہ پوچھی تو بی برگ نے بتایا کہ ''پناہ دینا بلوچی شان اور روایت کے مطابق ہے لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کل کلاں رند اور لاشاری رزم آراہوں میں لاشاری سردار کا نمک کھا کر پھر کس طرح اُسکے مقابلے میں میدان میں آسکوں گا''۔ نمک حرامی تو اندھا کر دیتی ہے۔ اس اقدام کا بہر کیف بھیانک نتیجہ افغانستان کے بادشاہ امیر شجاع الدین زنون کی لشکر کشی کی صورت میں سامنے آیا۔ بادشاہ اپنی افواج قاہرہ کے ساتھ بولان سے گزر کر ڈھاڈر کے مقام پر خیمہ زن ہوئے سردار گہرام خان لاشاری نے

اس موقع پر سردار چاکر خان رند کو کہلوا بھیجا کہ باہمی عداوت اپنی جگہ پر اس وقت بیرونی جارحیت کا سامنا ہے ساتھ ہی بی برگ کی کارستانی کا بھی حوالہ دیا۔

بیاکہ بی برگ ءَ جتہ ٹاہے	آؤ بی برگ نے گل کھلائے ہیں
نہ چیلکے نہ چالکے نہ بُرّگی راہے	نہ راہ رفتن نہ پائے ماننڈن

امن کا دلدادہ

سبی سے سردار چاکر خان رند اپنے لشکر لیئے ہوئے سردار گہرام کی مدد کو پہنچا دونوں سرداروں کی قوت اور بادشاہ کی افواج قریب تھا کہ آپس میں ٹکرا جائیں۔ بی برگ رند کی امن پسند سرشت نے گوارہ نہ کیا۔ اُسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اُسکی ایک غلط حرکت کے باعث معلوم نہیں کل کتنے گھر اُجڑیں گے، کتنے بچے یتیم ہوں گے، خون خرابہ کس قدر ہوگا، اس نے سوچ سوچ کر ایک ترکیب نکالی اور دونوں قبائلی لشکروں کے ہائی کمان سے کہا ''بغیر کسی منصوبہ بندی کے حملہ کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں مجھے کچھ وقت دیجئے میں بادشاہ کی فوج کی جا کر جاسوسی کروں گا تا کہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ بادشاہ کی طاقت کتنی ہے، حملہ کرنے کے منصوبے کیا ہیں'' یہ اجازت پا کر بھیس بدل کر بی برگ شاہی فوج میں جا پہنچا۔ یہ بڑا ہی خطرناک مشن تھا وہ کہتا ہے۔

رپتگاں ھیلہ ءَ خدائی ءَ	میں خدا کے بھروسے پر چلا گیا
گوں وتی ملن ءَ بادشاہی ءَ	اپنے شاہانہ گھوڑے پر بیٹھ کر
آتلگ و اُرد ءِ سرگروں گپتگ	فوج کے ایک سرے پر پہنچ کر
ملن من ارد ءِ پلوا بستگ	میں نے اپنا گھوڑا ایک طرف باندھا

شاہی خیمہ گاہ کے قریب پہنچ کر پہرہ دار مانع ہوا۔ بی برگ کی آبدار شمشیر لہرائی اور چشم زدن میں پہرہ دار خاک وخون میں غلطاں ہوکر رہ گیا۔ راستہ صاف پاکر بی برگ بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہوا، اُس نے دیکھا کہ ایک خادم بادشاہ کی پائنتی پر بیٹھا اُسکے پیر دبا رہا ہے۔ تلوار پھر چمکی اور اس صفائی سے خادم کی گردن اڑائی کہ بادشاہ کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ وہ خود خادم کی جگہ بیٹھا بادشاہ کی پیر دابنے کی خدمات انجام دینے لگا۔ خادم اس خدمت کے لئے تربیت یافتہ تھا۔ بی برگ کا اس کام کا بھلا کیا تجربہ، جب دو چار ہاتھ زوردار پڑے بادشاہ نے آنکھیں کھولیں اور حیرت سے پوچھنے لگا۔

تو کجام ہوت ءِ برنگلیں ورنا	نوجواں ہوت تم کون ہو؟
تو کجام گیاوانی مزارانے	کس صحرا کے شیروں سے ہو

بی برگ نے سر جھکا کر نہایت ادب اور شائستگی سے کہا

من ہما بی برگ آں کلامانی	میں نامور سخنور بی برگ ہوں
اچ منا بیتہ کارے شیطانی	مجھ سے ایک شیطانی حرکت سرزد ہوئی
بشگلی میراث انت بادشاہانی	بخش دینا، معاف کرنا بادشاہوں کا شیوہ ہے
اگہ نہ بشکھئے دی کار تئی دستیں	اگر معاف نہیں فرمائیں گے سزا کا آپ کو اختیار ہے

بی برگ کی اس جوانمردی، دلیری اور صاف گوئی سے بادشاہ بہت متاثر ہوا۔ بی برگ پر مرحمت فرمائی اُسے اپنی بغل میں جگہ دی، امراء وزراء کی طلبی ہوئی۔ بادشاہ نے اُن سے بی برگ کا تعارف کرایا اور کہا آجکی شب میری زندگی اس جوان کے قبضہ قدرت

میں تھی، چاہتا تو میرا کام اسی طرح تمام کرسکتا تھا جسطرح اُس نے پہرہ دار اور خدام کو موت کے گھاٹ اتارا چونکہ اس نے میری زندگی بخش کر مجھ پر احسان کیا ہے اسلئے میں بھی اسکی زندگی بخش کر اسے اپنی دامادی کی عزت سے سرفراز کرتا ہوں۔ بادشاہ نے بی برگ خلعتِ ناخرہ اور تیز رو عربی گھوڑا انعام میں مرحمت فرما کر حکم دیا کہ خیمہ وخرگاہ اسی وقت اکھیڑ کر بولان کی راہ سے واپسی ہو۔ اسطرح بی برگ نے جرات کا نہ صرف ایک باب رقم کیا بلکہ رند اور لاشاری قبیلوں کو جنگ وخون ریزی سے بچا کر گرانا ز کے ساتھ امن وخوشدلی سے زندگی گزاری۔

بی برگ اور صدو

قبائلی طرز حیات کی بہت سی خصوصیات قابلِ ستائش ہیں تاہم یہ بات نظر انداز کرنے کی نہیں کہ اسمیں تعلیم کے فقدان کے نتیجے میں تاریخی تحقیق کی راہ میں بیشمار موانعات سامنے آجاتی ہیں۔ تحقیق کا کام کرنے والا ہزار غیر جانبدار ہو اُسے بہرحال مستند تحریری مواد کی مدد حاصل نہیں مجبوراً اُن روایات پر انحصار کرنا پڑتا ہے جو سینہ بسینہ منتقل ہوکر کسی حد تک با قابل اعتبار اور مسخ ہوچکی ہوتی ہیں۔ بالخصوص جب روایات کا تعلق اُن راویوں سے ہو جن کے قبیلے مسلمہ طور پر باہم عداوت رکھتے ہوں۔ یہی صورت راقم الحروف کو یہاں درپیش ہے کہ رند اور لاشار دور کی تحریری صورت میں مرتب تاریخ موجود نہیں تمام تر دارومدار روایات پر ہیں۔ جن کی صحت پر یقین سے اصرار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ شعری روایات ہمیں ان ہی دو قبیلوں کی وساطت سے منتقل ہوئی ہیں شعراء نے قبائلی جذبوں سے متاثر ہوکر یا دیگر ترغیبات وتحریصات سے اثر لے کر غلو کی حد تک مدح

وہجو سے کام لیا ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان روایات کے دونوں پہلوؤں کو نظر میں رکھ کر اپنے قیاسات سے کام لیتے ہوئے داستان کے اس حصے کو بیان کریں جو نہایت ہی متنازعہ ہے۔

پہلی روایت

بی برگ اور صدو کے بارے میں ایک روایت پر میر گل خان نصیر نے انحصار کیا ہے۔ اسکے مطابق صدو لاشاری قبیلہ کی ایک حسین بیاہتا عورت تھی، شوہر کا نام پیرولی بتایا گیا۔ اس عورت پر سردار چاکر خان کی پہلے نظر پڑی اُس نے اپنے نوجوان بھانجے کو ترغیب دلایا کہ وہ صدو کو حاصل کرے۔ اس روایت میں یہ قباحت ہے کہ قبیلے کا سردار بہت ہی معزز ہستی ہوتی ہے۔ وہ نہ تو ایسی ترغیت دیتا ہے نہ اسے پسند کرتا ہے بالخصوص جبکہ ترغیت کا رخ اُسکے نوخیز بھانجے کی طرف ہو۔

دوسری روایت

میر شیر محمد مری نے رقم کی ہے یہ کہ صدو لاشاری قبیلہ سے نہ تھی بلکہ جت قبیلہ کی عورت تھی۔ میر شیر محمد مری کا عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کہ وہ نہایت فخر اور بے باکی سے ''جت'' عورتوں کو ''امیر زادوں کا رومال قرار دیتے ہوئے ڈومنیوں کو دودھ کا ''تازہ گلاس'' بتاتے ہیں۔ اول تو تاریخ کی تحقیق نے یہ بتایا ہے کہ جت بھی بلوچ ہیں، اگر ہم اس سے بھی صرف نظر کریں تو یہ قابل فخر حوالہ ہے کہ سردار چاکر خان ایک جت عورت کے مال کو بچانے کے لئے تیس سال تک جنگ آزما ہوسکتا ہے، وہ خود اپنے بھانجے کو کسطرح یہ ترغیب دے گا کہ وہ کسی عورت پر ڈورے ڈالے اور اُسکے ناموس کو پائمال

کرے۔

ہم صدو کو نہ لاشاری کہیں گے نہ جت لکھیں گے بلکہ اُس عہد کی ایک حسین بیاہتا عورت کے روپ میں دیکھیں گے۔ بی برگ ان دنوں ایامِ شباب میں قدم رکھ رہے تھے اُن کو ایسی باتوں کا بالکل بھی تجربہ نہ تھا کہ اُن تک صدو کے حُسن کا چرچا چیلنج بن کر پہنچا۔ ہمعصروں نے شرط ٹھہرائی کہ بی برگ اس مشکل مرحلے سے کامیاب نہیں گزر سکتا۔ بی برگ کو چونکہ امتحانوں کا مقابلہ کرنے کا شروع ہی سے قدر رہا تھا اُس نے اس امتحان سے پہلو تہی نہیں کی۔ پہلے نامہ و پیام کے ذریعے صدو سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کوشش کی، جب اسمیں کامیابی نہ ہوئی تو اپنی پروقار شخصیت اور طاقت سے بازی اپنے حق میں کرلی۔ بالآخر صدو بی برگ کی ہوکر رہی۔ مگر بلوچ معاشرے میں عورت راستے میں پڑی ہوئی بے مصرف چیز نہیں۔ صدو بھی بہادر اور جری لوگوں کی عزت تھی۔ بی برگ شیر کے کچھار میں داخل ہوکر خطرے میں پوری طرح گھر چکا تھا۔ وہ ہمت نہیں ہارا بلکہ صدو کے خیمے کے سامنے خم ٹھونک کر بیٹھ گیا جب بی برگ اپنے گھر نہیں پہنچا اور لوگوں کی زبانی سردار چاکر خان رند کو اصل صورتحال کا علم ہوا تو وہ فوجوں کا ایک دستہ لیکر نہایت عجلت سے بی برگ کی مدد کو آن پہنچا اور صدو کے لواحقین سے کتنے ہی دنوں تک گفت و شنید کرتے ہوئے اُنہیں اس بات پر رضامند کرلیا صدو کا شوہر منہ مانگا ہرجانہ[1] لیکر صدو کو طلاق دے تاکہ بی برگ اُس سے بیاہ کر سکے۔

۱۔ بلوچی میں ایسے ہرجانہ کے لئے میار کا لفظ مستعمل ہے۔

بی برگ اور ملن

بی برگ اور ملن کا معاشقہ بھی بلوچی داستانوں میں مشہور ہے۔لیکن یہ صرف واقعات کا تانا بانا ہے اُنہی واقعات کو نظموں میں دہرا گیا ہے جو عام طور پر بی برگ اور صدو کی داستان میں بیان ہوئے ہیں۔اس قصے کی بھی یہی خصوصیت ہے کہ ملن نام کی ایک حسین عورت کے حسن کا چرچا سنکر بی برگ اُسکے حصول کا ارادہ کرتا ہے۔پہلے تو وہ مالی رُعب واستطاعت کا مظاہرہ کرتا ہے۔پھر اپنے درد بھرے اشعار سے کام لیتا ہے،مگر عورت جو شادی شدہ ہے نہایت رُکھائی سے پیش آتی ہے بالآخر بی برگ یہ مشہور کرتا ہے کہ وہ ملن کے گاؤں میں آشوب چشم میں مبتلا ہے کہ ان آنکھوں میں روشنی تب ہی آسکتی ہے جب وہ وصال کے لئے مہربان ہو۔اسطرح بی برگ ملن کو حاصل کر لیتا ہے۔

بی برگ کی شاعری

جدید تحقیق کی رو سے بلوچی زبان کی قدیم شاعری کے مختلف گوشوں پر جو نظمیں ملتی ہیں ایسی شاعری گمنام شعراء کی تخلیقات کے ذیل میں آتی ہے،جس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔نظم کی نسبت کو مدنظر رکھتے ہوئے بعد میں اُس شخصیت کے نام سے مشہور و معروف ہوئی ہے۔ورنہ بیشتر تاریخی مشاہیر،سردار چاکر خان رند،سردار گہرام خان لاشاری،میر ھیتان،جاڑک وغیرہ ہم خود شاعر نہ تھے۔تاہم یہ بات بصد اطمینان کہی جاسکتی ہے کہ کچھ شخصیتیں بوجوہ شاعر یا شاعرہ ہوگزری ہیں۔ان میں شہہ مُرید کی جانی سے بچھڑنے کے سانحہ نے شاعر بنادیا،مہناز کو میر شہداد کے بہتان نے شاعری کی جانب راغب کیا جیسے کہ کہا گیا ہے۔

ایک صدمے کی ضرورت ہے جوانی کے لئے

ایک عنواں کی ضرورت ہے کہانی کے لئے

ان شخصیات کے علاوہ اگر وثوق سے شاعری نظر آتی ہے تو وہ بی برگ رند کی ہے کہ اُسے زندگی کو جنگ، محبت، امتحان و آزمائش کے رنگ میں بارہا دیکھنا نصیب ہوا۔ ان کے اثرات شعروں میں ڈھل کر ابدی ہو گئے۔ کچھ تجربات تھے، زندگی کی خوشیوں اور غموں کے کچھ تلخ و شیرین یادیں تھیں، ان سب کا بیان بی برگ کی شاعری میں ملتا ہے اور وہ بھی سیدھے سادھے بیانیہ انداز میں نہیں، تفکر کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ اس سے بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ بی برگ نے اپنی قلبی واردات، تجربات اور تفکرات کو شعر کے سانچوں میں ڈھالا ہے اور وہ اپنے دور کا واقعی شاعر ہے۔ اسکی مختلف محبوباؤں سے محبت و حسن پرستی کے حوالے سے اُسکے اشعار گزشتہ صفحات کی زینت ہو چکے ہیں۔ کچھ موضوعات حسن و عشق سے مختلف مبرا ہیں۔ اُن کا بیان بی برگ رند نے نہایت مؤثر پیرائے میں کیا ہے۔ ان میں عجیب و عجیب نکتہ آفرینیاں ملتی ہیں اور ان میں بلوچوں کی معاشرتی زندگی کی اعلیٰ تصور کشی کی گئی ہے۔

بڑھاپا

عموماً مائیں اپنے نونہال بیٹوں کو لوری دیتی ہیں۔ تو اُن کی توقعات یہ ہوتی ہیں کہ بیٹا بڑا ہو کر ماں باپ کے بڑھاپے کا سہارا بنے گا۔ عمر خضر کی آرزو اسی جذبے سے صورت پذیر ہوئی ہے، مگر بی برگ کی محسوسات تجربے کی آنکھ سے اس آرزو کے انجام سے اس طرح خبر دیتی ہیں کہ ''بیٹوں کو طویل العمری کی دُعا دینا خود اُن کے حق میں راحت آمیز نہیں ہے، بڑھاپے میں ہزاروں عیب ہیں جو کسی بلوچ میں ہرگز بھی قابل برداشت نہیں۔

پیری ءِ لولیاں مدے اِت بچاں	(بیٹوں کی مائیں) بیٹوں کو طویل العمری کی دعا نہ دیں
پیری ءَ عیبے مس گندگیں دیتہ	بڑھاپے میں میں نے بہت سے عیب، دیکھے ہیں
دست لرزنت چہ سمریں واگاں	ہاتھ گھوڑوں کی باگ تھامتے ہوئے کپکپاتے ہیں
پاد ڑءَ مہمیزاں زیانانی!!	پیر گھوڑوں کی ایڑ لگاتے ہوئے لرزتے ہیں
کشکیں دنتاں چہ پوپلیں رکاں	سیپ جیسے دانت سپاری چبانے سے رہ جاتے ہیں
چم ژءَ دیریں گندعا کوشتت	آنکھیں دور دیکھنے سے معذور ہوتی ہیں

بی برگ ماؤں کو لوری کی بجائے رجز کے بول دینے کی استدعا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

(بگو) زحم جن وڈا تاروچنی باتے	ماں کو چاہئے کہ وہ اپنے بیٹے کو شمشیر زن اور فیاض ہونے کی دُعا دے جو بلوچی زندگی کا خاصہ ہے

جوانی

بی برگ نے اپنی جوانی نہایت طمطراق سے گزاری تھی۔ اُس عہد میں خوش پوشی خوش ذوقی میں بی برگ کا ثانی نہیں نظر آتا۔ بی برگ اپنی جوانی کے زمانے یاد کرتے ہوئے بہت جذباتی ہوجاتا ہے۔ خصوصاً جب بالوں میں چاندی جھلکنے کے باعث حسینائیں اسکی جانب ماضی کی طرح راغب نہیں ہوتیں ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوئے وہ عہد جوانی کو یوں آواز دیتا ہے۔

دیتہ پترنگے دیرہ ءَ نیام ءَ	میں نے ایک البیلی جوانی ڈیرہ کے علاقے میں دیکھی

سومری ئے گوں تھنگہ ئیں سہتاں
گوں من و بڑان نہ واجائی

ٹلیت چو سرووانان سخاریناں
پیری ءِ چاریاں منا گپتہ
من بروتان و برنگلیں ریشاں
اے بلہ زیرےءِ جنگ انت گوں
ریشاں
گوں دپ ءِ دنتان و بروتاں

ڈاہ انت او ورنایاں گچینناں
دست رس ءَ بالاد ءَ مہدرنجین ات
من وتی ھیسی سرنہ رنجینتگ
ژءَ بہانانی چندنیں زیناں
چہ کنشکانی کاگدیں رکاں

چہ امیرانی نیادءُ دیواناں!
ژکنارانی پلگیں وَ نگاں

زیورات میں لدی پھندی ایک شہزادی
(مگر) میری وضع وقطع سے وہ ذرا بھی مرعوب
نہیں ہوئی
بلکہ ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی ہوئی نکل گئی
مجھے بڑھاپے کی چار نشانیوں نے گھیر لیا ہے
مونچھوں میں داڑھی میں سفیدی آ گئی ہے
اس بدبخت بڑھاپے کی جنگ رہتی ہے

داڑھی سے ہونٹوں سے دانتوں اور مونچھوں
سے
ہوشیار ! اے منتخب جوانو!
جہاں تک ممکن ہو سکے محرومیوں سے بچو
میں نے کبھی خود میں محرومیت نہیں دیکھی
گھوڑوں کی چندن جیسی زینوں پر متمکن رہا
حسینوں کے پنکھڑی جیسے ہونٹوں سے مستفیض
ہوا
اُمراء کے جلسوں اور محفلوں سے استفادہ کیا
شکار کر کے پہاڑی بھیڑوں کے گوشت سے
کام ودہن کو خوش کیا

غیور خواتین سے خطاب

بی برگ اپنی جوانی میں اپنے حسن مردانہ، اپنے تمول اور اپنے معاشرتی مقام کے باعث عشق و محبت کی مستیوں میں ضرور سرشار رہا، مگر بی برگ کے معاشقوں میں ہر اعتبار سے وقار ملتا ہے، شان نظر آتی ہے۔ علاقے کا حاکم ہونے اور قوت ورسائی کے باوجود بھی اُس نے کبھی جبر و زبردستی سے کام نہیں لیا۔ جہاں اُس کا دل کسی کی زلف کا اسیر ہوا بی برگ نے تدبیر سے محبت سے اور اپنی جان پر کھیل کر محبت میں کامیابی حاصل کی۔ ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ اُس نے رعایا سے یا قرب و جوار کے دوسرے قبیلوں سے کسی قسم کی زیادتی کی ہو۔ اپنے اشعار میں وہ ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو مخاطب کر کے ناموس کی اہمیت کا اظہار کرتا ہے۔

من جناں جوانیناں دیان پنتے
شما وتی لجاں سک تر ءِ دارات
نوا چور ءِ ناجاتے پرا منت
ٹمبر وئے گون ہو شیشیں گلاکاں
شُمے برات شکی بنت نیادءِ دیوانان

میں معزز خواتین کو اچھی نصیحت کرتا ہوں
آپ اپنی عزت کا سختی سے خیال رکھیں
ایسا نہ ہو کہ لونڈے لمڈے دھوکا دے جائیں
شیخی خوروں کے بال دیکھ کر نہ پھسل جائیں
(دیکھنا) اسطرح تمہارے غیور بھائی
چوپال میں شرمندگی نہ اُٹھائیں

امن پسندی

بی برگ رند نے اپنے زمانے میں نہایت امن پسند شخصیت مشہور رہا ہے۔ بی برگ کی امن پسند طبیعت نے بارہا جنگوں اور خونریزیوں کے رُخ موڑ دیئے ہیں۔ اُسکی

امن پسندی بعض اوقات دوسرے بلوچ سورماؤں کو گراں گزرتی ہوگی، جسکی وجہ سے بی برگ کو طعن و تشنیع کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ سب سے پہلی بار بی برگ کو سردار چاکر خان اور میر ہمیتان کے درمیان ایک اونٹ کی ملکیت کے سوال پر جنگ روکنے کا مسئلہ پیش آیا، اُس نے واضح الفاظ میں جنگ کی مخالفت کی۔

ھمیتان ءَ پہ لاگرین لوکے قہر کنے	یہ کیا غضب کرتے ہیں ھمیتان کو ایک اونٹ کے لئے
بستگیں ٹکے اژوتی راج ءَ زہر کنے	ناراض کر کے ایک متحد قبیلہ خود سے الگ کراتے ہیں
باسک ءَ بھورینے اولدا آسے مان کنے	آپ ہی اپنا بازو توڑ کر جنگل میں آگ لگاتے ہیں
ماں کئی چھترءِ سا ہگ ءَ روچاں تیر کنے	مشکل وقت پر کس کے چھت کا سایہ مل سکے گا
چند ہالوک تو شاعرءُ ڈومباں داتکنت	ایسے کئی اونٹ اپنے شعراء اور قصیدہ خوانوں کو
پہ سوالی ءرا ہگوزی مردان بخش ات اَنت	راہ چلتے ، سوال کرنے والوں کو بخش دیئے ہیں

دوسری مرتبہ بی برگ کو اس سے بھی زیادہ خطرناک جنگ اور خون خرابے کو روکنے کا مسئلہ گران ناز کے معاملے میں رند، لاشاری اور افغان حاکم کی فوجوں کے بالمقابل آنے پر پیش آیا۔ اُسنے اپنی جان خطرے میں ڈالکر جنگ کی نوبت نہ آنے دی،

اسکی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہوچکی ہے۔

گوہر ایک مہیری خاتون سردار چاکر خان کی پناہ جو ہوچکی تھی لاشاری قبیلہ کے کچھ جذباتی نوجوانوں نے اُسکے مال مویشیوں سے چھیڑ چھاڑ کی اور اُنہیں نقصان پہنچایا۔ یہ بات سردار چاکر خان سے چھپی نہ رہ سکی۔ انہوں نے اسکی گوشمالی کا ارادہ کیا اور جنگ جُو رند آمادہ خونریزی ہوئے۔ بی برگ نے اس کشت وخون کو رکوانے کی بہت کوشش کی۔ اس معاملے پر دلائل دینے کے نتیجے میں خود سے کمتر لوگوں کے طعنے بھی برداشت کئے مگر وہ اس جنگ کو روکنے میں کامیاب نہ ہوسکے جو بعد میں تیس سالہ قبائلی جنگ میں بدل گئی۔

جب سردار چاکر خان رند کے آتش بجاں سورما جنگ کی نیت سے چڑھے اور چاہتے تھے کہ لاشار قبیلہ پر یلغار کریں بی برگ آگے بڑھے اور سردار چاکر خان کے گھوڑے کی لگام تھام کر اسطرح پیش آنے والی صورتحال کا اظہار کیا۔

چاکر پرچیا بے سارے	چاکر خان! کیوں بیگانہ ہوش وخرد ہورہے ہیں
براتاں ماں زرے گُند ارے	بھائیوں کو خون کے سمندر میں دھکیل رہے ہیں
سردار! کینگاں کوتاہ کن	سردار! کینہ ہجوئی کم کریں
بُرزیں کھنڈگاں چم چار کن	اس اقدام کی مشکلات اور بُرے انجام کا احساس فرمائیں
نوحانی ھزار مرد بیت	ہزار تیغ آزما تو صرف نوحانی ہیں
بید چہ زخم جنیں لاشاری	لاشاری اس پر مستزاد
بندنت پلوا پجگیگ ءَ	یہ باہم متحد ہوکر سامنے آئیں گے
پیش کنزگ ترا تاواں بیت	جنگ میں پہل کرنا کہیں خود آپکے لئے تباہی نہ ہو

پد کنزگ پرآواں عیب انت	اور پیچھے ہٹنا اُن کے لئے عیب نہ بنے

بی برگ کی اس پیش بین کی جسقدر ستائش کی جائے کم ہے کہ بعینہ یہ انجام ہوا سردار چاکر خان ہی کو صرف شکست نے کہیں کا نہ رکھا بلکہ خون کے سمندر میں بلوچ عظمت رنگین ہوکر رہ گئی، تاہم اُس وقت کچھ جوشیلے ایسے تھے کہ انہوں نے بی برگ کے تجربے اور پیش بینی، امن کی خواہش اور اتحاد کی استدعا کو لعن طعن کے تیروں کا نشانہ بنایا انہوں نے یوں ہجو وطعن آمیزی کی۔

بی برگ گونڈلاں سہمینتہ	بی برگ کو تیروں نے ہراساں کر دیا ہے
ھندیاں مزن شنڈیناں	ھندی تلواروں کی دھار نے ڈرایا ہے
اوداں کہ جنوں مازحماں	جہاں ہم تیروشمیر سے لڑیں گے
تیر دُوری ترا نادینوں	وہاں آپ کو تیروں کی بوچھاڑ سے دُور بٹھائیں گے
جُلے تئ سر ءَ پرّینوں	تجھ پہ بھاری کمبل تھان کر
تیراں ھزمئی ترّینوں	تیروں کا رُخ اپنی جانب پھیرلیں گے
ماوزحم جنیں لاشاری	ہم ہوں گے اور شمشیر بکف لاشاری
آپ و بنّی مان آیوں	کھیت اور پانی کی طرح گلے ملیں گے
ھوشگ چوپ کنوں آپیتی ءَ	خوشوں کی طرح ایک دوسرے کو کوٹیں گے
نندو گند کئی سیت ءَ بیت	آپ بیٹھ کر دیکھئے کہ فتح کس کی ہوتی ہے

بی برگ کا تفکر

بلوچ شعراء کے جس زمانے سے بی برگ رند کا تعلق ہے اُس زمانے کی شاعری میں جنگ وجدل، حُسن وعشق، قبائلی چشمک کے زیر اثر مدح وذم عام ملتی ہے لیکن ایسا فکر انگیز انداز ایسی خیال آرائی اور کسی کے ہاں نظر نہیں آتی۔ بی برگ بلوچوں کے سنہری عہد کے آخر تک زندہ تھے۔ وہ کسی ضرورت سے سبّی گئے اور بھی بہت سے سپاہ جلوس میں تھے۔ ایک جگہ بکھرے ہوئے پتھر دیکھ کر عظمت رفتہ کو اس طرح صدا دی کہ تاریخ اپنی پوری صداقت کے ساتھ اسکی مفکرانہ عظمت کی گواہی دیتی ہے۔

چر و گولے من محشریں سیوی!!
کا تکاں گوں رندی چیدگیں سواراں
پُرسنگ ما، چہ رگوز ءِ سِنگاں
گوشتگیں مردانی دئت ھال ءَ
سنگ پہ ارمانیں دلے گالنت
چے ءَ تو پڑسے میر بلوچانی
دور نیادار اَنت مرد و بورانی
دور کلاتے نیں تیمریں کوہے
دور گوں گہرام ءَ نہ اوشتاتگ
نیں گوں مئے سردار ءَ قومی ایناں

میں منتخب سواروں کی معیت میں
سبّی کا دورہ کر رہا تھا
راستے میں پڑے ہوئے پتھروں سے پوچھا
عہد رفتگاں کی کچھ کہو
پتھر حسرت و یاس کی زبان میں گویا ہوئے
میر بلوچ کیا پوچھتے ہو
گھڑسواروں اور بہادروں کے وقت یکساں نہیں
وقت نہ تو قلعہ ہے نہ مضبوط پہاڑ
وقت نے گہرام خان سے وفا نہ کی
نہ وفا کی ہماری قوم کے سردار سے

شَہدادومَہناز

بلوچوں کے سنہری عہد کی یہ ایک الم انگیز داستان ہے جس کے واقعات سوکن کی لگائی بجھائی کے گرد گھومتے ہیں تاہم اِسکے بیان میں جو بلوچی نظمیں ملتی ہیں اُن میں شاعرانہ محاسن اسقدر پائے جاتے ہیں کہ یہ اپنے دور کی تاریخی، ثقافتی اور سماجی حالتوں کی ترجمانی میں شاہکار کہی جاسکتی ہیں۔

شہداد اور مہناز کی داستان کا خلاصہ یوں ہے کہ۔

میر شہدا خان، بلوچ سردار چاکر اعظم کے بیٹے تھے۔ میر شہداد نہ صرف ایک بہادر اور جنگجو سپاہی تھے بلکہ علوم دینی پر بھی اُن کو دسترس حاصل تھی، مسٹر لانگ ورتھ ڈیمز تاریخ فرشتہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''میر شہداد خان سنی سے اپنے والد سردار چاکر خان کیساتھ نقل مکانی کر کے ملتان وارد ہوئے (شاید) اپنے علوم دینی کی ترغیب سے انہوں نے شیعیت کی بھی تبلیغ کی چنانچہ ملتان اور اسکے گرد ونواح میں انہیں ایک روحانی بزرگ کا مقام دیا جاتا تھا۔

میر شہداد کی دو بیویاں تھیں (ایک شعر میں جس کا حوالہ اپنے موقع پر آئے گا میر شہداد خان کی تین بیویوں کا ذکر ملتا ہے) دونوں بیویوں میں مہناز اُن کی چہیتی بیوی تھی، دوسری کا نام مُرگو تھا۔ سوکن کے جلاپے میں مُرگو کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ وہ مہناز کو جو حُسن وسیرت میں یکتا اور نجابت کی مالکہ تھی کسی نہ کسی طرح میر شہداد خان کی نظروں سے گرادے۔ میر شہداد خان کے ایک ملنے والے میر عومر تھے جن سے میر شہداد خان کی گاڑھی چُلتھی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میری شہداد خان شکار وغیرہ کے سلسلے میں باہر گئے

ہوئے تھے۔ میر عومر شہداد خان کے ہاں آ کر مہمان ٹھہرا۔ بلوچ قوم کی روایت مہمانداری میں لازم آتا ہے کہ صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں مہمان کی خاطر مدارت کو نظر انداز نہیں کیا جاتا البتہ زنانخانہ سے باہر مہمان کو پوری عزت و پورے اہتمام کے ساتھ ٹھہرایا جاتا ہے چنانچہ میر عومر کی اسی کے مطابق پذیرائی کی گئی۔ کھانا وغیرہ کھانے کے بعد اُن کی چارپائی بھی باہر لگا دی گئی۔ مرگو نے اس موقع کا فائدہ اُٹھایا۔ جب سارے لوگ سو گئے وہ اُٹھی مہناز کے جوتے پہنے اور میر عومر کے بستر تک گئی اور پھر واپس قدموں کے نشانات بناتی آئی۔ رات کے کسی وقت جب شہداد خان آئے تو تھکے ہوئے تھے میر عومر سے ملے بغیر سو گئے اور صبح میر عومر اس خیال سے کہ میر شہداد خان گھر نہیں لوٹے ہیں اُٹھے اور اپنی راہ لی۔ مُرگو نے میر شہداد خان کو بدگمانی میں یہ کہہ کر مبتلا کر دیا کہ رات مہناز چوری چھپے میر عومر سے ملی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میر عومر صبح ہوتے ہی بغیر ملاقات کئے چلے گئے۔ ثبوت میں میر گو نے میر شہداد کو مہناز کے جوتوں کے وہ نشانات بھی دکھائے جو اُس نے غلط فہمی پیدا کرنے کی نیت سے بنائے تھے۔ میر شہداد خان نے تصدیق و تحقیق کئے بنا اپنی وفا شعاری بیوی پر نہ صرف شک اور تشدد کیا بلکہ طیش میں آ کر اُسے طلاق دے ڈالی۔

مہناز کو اس بات کا بہت رنج رہا کہ میر شہداد جیسے بزرگ اور سلجھے ہوئے شخص نے بغیر تحقیق کئے اُسکی اہانت کی اور ایک بے قصور شخص پر بھی تہمت باندھی۔ طلاق کے کچھ عرصہ بعد مہناز کی میر عومر سے شادی ہوئی جسکی وجہ سے جانبین میں ہجو و ذم کا ایک طومار بندھ گیا تاہم جب میر شہداد پر اصل صورتحال کا انکشاف ہوا تو اُسے بڑی پشیمانی ہوئی مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ شہداد خان نے اپنے دکھ اور اپنی پشیمانی کے اظہار

میں اور مہناز نے بلا جواز تہمت واہانت کے احساس میں بہت سی نظمیں منظوم کیں۔ تاہم کچھ لکھنے والوں کا خیال ہے کہ دونوں ہی چونکہ متمول گھرانوں سے تھے اسلئے اُن کی جانب سے نامعلوم اور گمنام شعراء نے اُنہیں خوش کرنے کے لئے یہ نظمیں موزوں کیں۔ صورت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ان نظموں میں درد، غم، افسردگی، احتجاج کی ایسی گہرائی اور گیرائی ملتی ہے جو ان اشعار کو شاہکار کا مقام دلاتے ہیں۔

شہداد اور مہناز کی داستان کے بیان کرنے والوں میں چند ایک معمولی امور پر اختلاف ہے۔ جبکہ مہناز نے اپنے ایک شعر میں میر شہداد خان کو چچازاد بھائی کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ میر شیر محمد مری نے بھی چچازاد پر صاد کیا ہے۔ اگر چہ تاریخ میں سردار چاکر خان رند کا کوئی اور بھائی یا سوتیلا بھائی مذکور نہیں۔ ہوسکتا ہے مہناز میر شہداد خان کے قریب کی رشتہ دار ہوں جسے چچازاد کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے البتہ ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے کہ بلوچ تاریخ سے ناواقف دوستوں نے یہ لکھ کر پیدا کی ہے کہ مہناز نے دوسری شادی میر عومر نوحانی سے کی تھی۔ حالانکہ میر عومر نوحانی سن وسال کے اعتبار سے سردار چاکر خان اور گہرام خان کا ہمصر تھا جو مہناز کے دادے کے برابر ہوگا۔

جناب محمد اکرم صاحب خان نے اپنی بلوچی کتاب ''یات سوگات'' میں لکھا ہے کہ میر شہداد اور مہناز قریب کے رشتہ دار تھے۔ شہداد خان ایک خاندان میں بھائی کا بیٹا اور مہناز دوسرے خاندان میں بہن کی بیٹی تھی۔ گویا میر گل خان کا قیاس خالہ زاد بہن کا تو درست نکلا مگر نوحانی اور رند کا مسئلہ تو میر شیر محمد نے بھی نظر انداز کر دیا ہے تاہم میر شیر محمد مری نے یہ لکھا ہے کہ میر عومر نوحانی لاشار قبیلہ کے حلیف تھے۔ اُن کی بود و باش سندھ میں نلی کے مقام پر تھی جس عومر کا ذکر شہداد مہناز کی شاعری اور بعد میں مہناز سے دوسرے

شادی کے باب میں ملات ہے یہ عومر رند تھے اور ڈھاڈر کے ایک متمول گھرانے سے تھے جبکہ محمد اکرم صاحب خان نے لکھا ہے کہ عومر اور اسکے اجداد رند سردار کے قدیمی چرواہے تھے۔ واقعات کے اعتبار سے محمد اکرم صاحب خان کا قیاسی بیان درست نہیں۔ مہناز جیسی بڑے گھرانے کی خاتون کبھی کسی چرواہے سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس قسم کے بیان وہ حضرات دیتے ہیں جن کو اُس دور کی معاشرت کا صحیح اندازہ نہ ہو۔ رندوں کے اپنے دور میں ہر شخص سپاہی، جاگیر اور دولت کا مالک تھا۔ چراواہے مفتوحہ علاقوں کے لوگ تھے۔ وہی خدام تھے، وہی کارکن تھے جنہیں جت کہا گیا ہے۔

شہداد اور مہناز کی قبائلی حیثیت پر بحث کرنا موزخین کا منصب ہے۔ ہمیں اس داستان کے اُس بیان سے غرض ہے جو قدیم اشعار میں ملتا ہے۔ یہ اشعار مشرقی بلوچستان میں مری بگٹی اور دوسرے قبائلی گویوں کو بھی ازبر ہیں۔ ضلع چاغی اور مکران کے گویے بھی گاتے ہیں۔ معمولی اختلاف تو اس نوع کی شاعری میں مرور زمانہ کے باعث ہوتا ہی ہے مگر داستان کی عمومی صورتحال میں اختلاف نہیں ہے۔

بی بی مہناز سے منسوب شعر۔

جی کلئیں شاتئل زیرمنی گالاں	ہاں اے خوش آواز کوئل میرے گیت لے کر جا
برمنی پردوتیں دل ءِ حالاں	میرے دل شعلہ زن کا حال لیکر جا
سرکن تاں شہداد ءِ ولی گین[ا] ءَ	جا کر اُس ولی تمثال شہداد کو پہنچا دے
پہ منی تُروءِ زھگ ءِ بزرگین ءَ	میرے بزرگ خالہ زاد کو جا کر دے آ

ا۔ میر شہداد کے بارے میں خیال کیا گیا ہے کہ وہ ولایت اور بزرگی سے مشرف ہیں۔

(۱) ولی تمثال۔ میر شہداد کے بارے میں مؤرخین تصدیق کرتے ہیں کہ وہ علوم دینی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ اُن کے کلام سے بھی اُن کا علمی اور فلسفیانہ انداز ہوا ہے بلوچوں میں میر شہداد کی ولائیت پر اعتقاد بھی ملتا ہے۔ یہاں اس اعتبار سے میر شہداد کو ولی سے مماثل کہا گیا ہے۔

(۲) خالہ زاد۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مہناز نوحانی قبیلہ سے نہ تھی بلکہ رند قبیلہ سے تھی۔

شہدادِ چاکر بھنگ و مسکانی
سےءِ اِجنے کپتہ زنگش آسکانی
شہداد گوں بولے چندیں سواراں
پہ شکارانی شاذہ ءَ زپتگ

چاکر کے معطر بھنگ پینے والے بیٹے کے لئے
جس نے غزال صفت تین بیویاں کر رکھی ہیں
وہ شہداد جو چندن جیسے سواروں کا دستہ لیے
شکار کے لئے خوش دلی سے گیا ہے

ا۔ میر شہداد کی تیسری بیوی شاری کا حوالہ ہے جیسے کہ داستان کی ابتداء میں ہم کہہ چکے ہیں۔

پہ نر آہکانی پلکیں ونگاں	وہاں شکار کر کے وہ نر آہو کی پُٹ کی بھی کرے گا
پہ گرانڈانی ران و روتینکاں سینگے پیشکش انت جنکانی	بھیڑوں کی رانیں اور رودے بھون کھائے گا اُس کا سینہ حسینوں کے لئے ایک دلکش پیشکش ہے
شہداد مے ناکو زھگ مڑاہانی شہداد مے ناکو زھگ تنک عقلیں	وہ شہداد جو میرا عظمت مآب چچازاد ہے مگر وہ شہداد عظمت مآب کتنا عقل سے عاری ہے
عقل ات ماں کلیگاں چُلکوَکیں	اُس کا عقل مشکیزوں میں پانی کی طرح چھلکتا ہوا ہے
دَم دَم ءَ گیت و پادتیَ کوشتی	قدم بہ قدم چلکر وہ تذبذب میں مبتلا ہے
پہ ہپوکانی[1] بستگیں دروگاں!	سوکنوں کی گھڑی ہوئی دروغ بافی راستہ روکتی ہے
یاترا چوریگاں بٹال داتیں	یوں لگتا ہے جیسے لڑکوں بالوں نے اُسے گمراہ کر دیا ہو
لٹ ات چومتیں لیڑہ ءَ داتیں	بدمست اونٹ کی طرح مجھ پر لاٹھیاں برسائیں

ا۔ ہپوک، سوکن، ہپوکانی سوکن کی جمع اس سے بھی دو سوکنوں کی تصدیق ہوتی ہے۔

چابک چو بہارگاہ ءِ تکیں بوراں	بہارگاہ کے چرے ہوئے گھوڑوں کی طرح چابک برسائے
لٹ پہ بے حزمیں جتاں جوانیں	چابک اور لاٹھیاں تو بے وارث عورتوں کیلئے ہوتی ہے
چابک پہ کمزاتیں خطائیاں نہ کہ پہ مہناز ءِ گلیں جان ءَ	چابک تو کمین اور خطا کاروں کا مقدر بنے ہیں مہناز کے پھول جیسے جسم کیلئے تو نہیں
(فخریہ) من ہما انجیروں پچن تاکیں	میں انجیر کے چوڑے پتوں والا وہ درخت ہوں
بزرہما کوہانی سرازستوں کیشتر پہ گٹ و سرتاں بوتن	جو بلند و بالا کہساروں پر اُگتا ہے جو گہری گھاٹیوں اور وادیوں میں نشو و نما پاتا ہے
من ہما باگ ءِ بزرتریں درچکن	میں ایسے ہی باغ کی سرو بلند قامت ہوں
سرمنی ہچ گوات ءَ نچنڈینگ جتی ئیں ہوراں بن نہ میسینگ	میرا سر کسی ہوا نے بھی نہیں ہلایا ساون بادوں کی بوچھاڑ بھی میری جڑوں تک نہیں پہنچی
دکن ءِ گوات کہ ہر گورے کشئیت کیشتر ءَ درچکانی سرچنڈیت	دکن کی اور سے تیز ہوائیں آکر بہتیرے درختوں کو ہلا جاتی ہے

سر منی چیچ گوات ءَ نچنڈ ینگ	میرا سر کسی ہوا کے زور سے نہیں ہل سکا
غیر چہ شہداد ءِ نوکلیں خطاں	ماسوائے شہداد کے خطِ نورُستہ کے
دستے ماں مَل ءَ سیمریں واگاں	میرا ایک ہاتھ گھوڑی کی سیمگوں باگ میں
دستے ماں میری موزگیں پاداں	دوسرا ہاتھ امیرانہ موزہ و پیزار میں
دستت پہ مورتیں گیسگ ءَ برتیں	ہاتھ بڑھ کر جیب میں پہنچا
کشتاں! اے سے تیرا ئے تئی سُہن اَنت	تین تیر میری جانب بڑھا کر کہا'' یہ تمھاری طلاق''
شہداد پہ راضی ئیں دلے داتیں	شہداد نے نہایت خوش دلی سے دیئے
مہناز پہ نگرانیں دلے زُرتیں	مہناز نے دُکھ بھرے دل سے لئے
بُزز ہما آسکی دیدگاں داشتیں	ایک (تیر) غزالیں آنکھوں کی زیارت گاہ بنا
یکے ماں ہیرواریں دَپ ءَ کرتیں	اور پھر الائچی چبانے والے ہونٹوں نے چوما
دومی ماں گپتان ءِ بنی گنڈ ءَ	دوسرا (بلوچی زنانہ) جیب کی گہرائیوں میں محفوظ

ا۔ بلوچ کی بہادرانہ شان کا یہ مصرع مظہر ہے کہ وہ اگر طلاق بھی دیتا ہے تو تیروں کی گنتی سے ورنہ عام طور پر تین گھٹلیاں یا تین پتھر کنکر وغیرہ سے طلاق دی جاتی ہے اسمیں شاعرانہ پہلو بھی قابل توجہ ہے۔

سیمی ماں شارءِ پلوّ ءَ بستیں
سک اش بندیں کہ بوجگ اش عیب انت

تیسرا میری اوڑھنی کے پلوّ سے بندھ گیا
میں انہیں محفوظ رکھوں گی کہ انکا کھلے رہنا عیب ہے

نہ ترا سیت و نے منا تاوان
نہ ترا سیت چہ مرکبءِ پشت ءَ

اسمیں اگر تیرا نفع نہیں میرا بھی نقصان نہیں
تو اگر گھوڑی کی پیٹھ پر نفع وضرر سے بے خبر ہے

نیں منا تاوان گورگیں کلّ ءَ
عالم ءُ ترا بجار دیاں زرّاں

تو میں گھر کے آنگن میں نقصان سے بے پرواہ
(تیری شادی میں) لوگ تجھے روپے پیسے کی مدد کریں گے

من ترا بجاری دیاں بچاں

میں اپنے بیٹوں کی شکل میں تیری اعانت کرتی ہوں

لوگوں پُھریں ژءَ تھنگویں بچاں

میرا گھر خالص سونے جیسے بیٹوں سے آباد ہے

بید شما آہو دورشمیں لال ءَ

وہ غزال صورت ان پر مستزاد ہے (یعنی میری بیٹی)

ھلک لدیت کہ لشکرءُ ڈاہ انت
من نہ لڈیں کہ دُرس منی حزم انت

دیکھو لوگ خوفزدہ ہوکر کوچ کرنے لگے ہیں
میں خوفزدہ نہیں کہ آنیوالا بہادر دستہ میرے ورثا کا ہے

دُرس منی عاریفیں پت ءُ براتاں

ان میں معزز والد، میرے بھائی شامل ہیں

پمن و لوگے لڈگا کائینت	جو مجھے میکے لے جانے کیلئے آ رہے ہیں
ئے منی ترُو زھگ انت کمانداریں	ان میں میرے تین خالہ زاد ہیں کمانوں سے مسلح
سوار نت پہ بور ءُ زدحویں گوات ءَ	وہ ہوا سے باتیں کرنے والی گھوڑیوں پر سوار آتے ہیں
ذرھک جتان ءَ پہ کچگاں کائینت	اُن کی گھوڑیاں دُور میدان سے اُچھلتی کودتی آرہی ہیں
دست اش ماں تائیں سر لگام ءَ انت	خود انہوں نے نقرئی لگام تھام رکھے ہیں
دیمش پہ شہداد ءِ کلات ءَ انت	سب شہداد کے قلعے کی جانب بڑھ رہے ہیں
عمر پہ مہناز ءِ سلام ءَ انت	جبکہ عمر مہناز کو سلام تحسین کیلئے بڑھ رہا ہے

میاں بیوی کا رشتہ محبت و معاشرتی علائق کا وہ مضبوط رشتہ ہے کہ مرد کو اس سے احساس وفا، ذمہ داری، اعتماد و اعتبار ملتا ہے تو عورت کو احساس تحفظ، تقویت اور بے فکری حاصل ہوتی ہے۔ مرد اور عورت کا یہ رشتہ جہاں کمزور ہوتا ہے وہاں دونوں جانب سے ناخوشگواریت محسوس ہوتی ہے اور جب یہ بندھن بالکل ہی ٹوٹ جاتا ہے تو مسائل کا ایک ہجوم جانبین کو گھیر لیتا ہے۔ عورت کا مان ٹوٹ جاتا ہے اور عدم تحفظ کے احساس کر رہ جاتی ہے۔ مہناز کی اس نظم میں عدم تحفظ اور مظلومیت پوری طرح ظاہر ہوتی ہیں۔

من رواں راہی راہ سرے تنداں	میں جاکر کسی مصروف گزرگاہ بیٹھتی ہوں
بلکیں وتی ملک ءِ مردے گنداں	تاکہ اپنے علاقے کی جانب جانے والا رہ نورد ملے

اڑوتی دستونکءَ جزے سنداں	میں اپنے کلائی کے پروئے ہوئے دستونک کے چند دانے
اڑ وتی گوشءِ کنلاں نالے	اپنے کانوں میں پہنی ہوئی ایک بالی
اڑوتی شارءِ دامنءَ راڑے	اپنے دوپٹے کی ایک ٹکڑے پر
اڑ وتی پادینءَ پدی کالکے	اپنے بالوں کی ایک لٹ کیساتھ لپیٹ کر
راہ گداریءِ پاوءَ بنداں	راہگیر کے پاؤ سے باندھ دیتی ہوں
کہ منی عاریفیں پتءَ حال دنت	تا کہ مجھ پر پڑی ہوئی افتاد سے میرے محترم والد باخبر ہوں

مہناز نے شہداد سے طلاق کے معاملے کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہوئے اس پر اپنے غم وغصے کا جہاں اظہار کیا ہے وہاں اُن بیرحمانہ واقعات کے جزئیاتی حوالے بھی دیئے ہیں جو اس ضمن میں پیش آئے۔ شہداد نے مُرگو کے بہکاوے میں آکر مہناز پر نہ صرف مشق ستم روا رکھا بلکہ ایک عرصے تک دونوں میں بول چال بند رہی۔ شہداد شکار کی غرض سے گئے ہوئے تھے جب اُن کی واپسی کا وقت قریب ہوا مہناز کو پہل کرنا پڑی۔ وہ آبادی سے کچھ فاصلے پر ایک رہگزر پر منتظر رہی۔ مہناز اس واقعے میں تنہا نہ تھی دو ایک سہیلیاں اور کنیزیں ساتھ تھیں۔ جب شہداد نمودار ہوا مہناز نے بڑھ کر گھوڑی کی باگ تھام لی اور شہداد کو منانا چاہا۔ شہداد غصے میں بھرا ہوا تھا اُس نے مہناز کے ہاتھ سے باگ جھٹک لی اور اُسے زور سے دھکا دیا وہ دُور جا کر گری۔ اس واقعے کو نظم کرتے ہوئے مہناز نے جس مظلومیت اور دُکھ کا اظہار کیا ہے اُس پر دل غم سے رو دیتا ہے۔

تو دی گوں سےَ چار کنگریں سواراں	تم تین چار جیالے سواروں کے جلو میں آرہے تھے
اچ شکارانی شادہ ءَ کاتکے	شکار کرنے کے بعد خوشیاں مناتے ہوئے
من دی گوں سےَ چار دستگہار جیڈی	میں بھی تین چار سنگھی سہیلیوں کو لئے
آتک تئی چار راہ ءِ سرانشتوں	آکر تیرے راہگزر پر بیٹھ گئی تھی
دستے ماں ملءِ سیمریں واگاں	(تمہاری آمد پر) میرا ہاتھ سیمگوں باگ پر تھا
یکے ماں میری موزگیں پاداں	اور دوسرا ہاتھ پیروں پر رکھے میں نے کہا تھا
''ہرگناہے کہ دست من ہیتہ!	مجھ سے جیسا بھی قصور سرزد ہوا ہے
بخشے پہ شاہیں قادرءِ نامءَ	عظیم الشان خدا کا واسطہ بخش دیجئے
بلے بخش چہ جوانیں مرداں رَپتہ	مگر بخشش کی راہ بہت اچھے لوگوں سے محو ہوچکی ہیں
گیشتر چہ بور بخشیں کہیری آں	خصوصاً تازی گھوڑے بخشنے والے کہیریوں سے
تو منا تیلانک پہ کافری داتگ	تو نے مجھے کافرانہ انداز سے (بیرحمی سے) دھکا دیدیا
کپتگاں پد نشتءَ پیافینءَ	میں لڑھکتی ہوئی پیٹھ کے بل جا گری

ڈھولن اوں حاکپ زُرتگ زبادانی	خوشبو سے بسا ہوا مُشکواِن دھول سے بھر گیا
بستگاں شُمشک چہ گوری درم آں	میرے گلے میں پہنے ہار کی پتیاں بکھر گئیں
مہپروں دھنز گپتت اودمسکاں	خوشبوؤں میں بسے ہوئے گیسو دھول سے اَٹ گئے
تو منی سُہناں پُچش کتو داتگ	تم نے اس نازیبا طریقے پر مجھے طلاق دیدی
چوزانتے کہ مردے جوانیں	ایسا نہیں سوچا کہ یہ ایک اعلیٰ شخصیت ہے
بادشاہانی رُتگیں چکے!!	اسکی پرورش شاہانہ اطوار سے ہوئی ہے

شہداد اور مہناز دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے لیکن بلوچی معاشرت میں عورت کی بیوفائی چونکہ نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں اسلئے شہداد نے باوجود دلی محبت کے طوعاً کرہاً مہناز سے علیحدگی اختیار کی اور اُسے طلاق دیدیا مگر شہداد کو اس کا کم صدمہ نہ تھا۔ شہداد کا یہ صدمہ اُس وقت ناقابل برداشت ہوجاتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ جس شخص کو مہناز سے متہم کیا گیا تھا اُس نے اُسی سے بیاہ رچالیا ہے تو یہ صدمہ اور غصہ مہناز کے شوہر عومر کے خلاف ہجو کی صورت اختیار کرتا ہے۔

یہ ہجو اور جوابی ہجو بلوچی شاعری کا قابل قدر سرمایہ ہے۔ عومر رند قبیلہ کا ایک آسودہ حال شخص تھا۔ شہداد سے اُسکی گہری دوستی رہ چکی تھی۔ تاہم مہناز سے شادی کے بعد شہداد کے نزدیک اُس سے زیادہ کریہہ منظر، بیہودہ اور ناپسندیدہ شخص کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔ شہداد نے اپنی ہجو میں نہ صرف مہناز پر سخت اعتراضات کئے ہیں بلکہ عومر کا سراپا اس طرح کہا ہے کہ ہجو یہ شاعری کو نئی وسعتیں نصیب ہوتی ہیں۔

مختصر۔۔۔

ڈومب منی رندی گوشتگیں گالاں	میر اسی امری رندانہ گفتار
برجہاں گول ءِ سرجم ءِ سرکن	اُس ہرجائی (مہناز) تک لیجا کر پہنچادے
من تئی کولی چرگ ءِ دیستیں	میں اگر کہیں تیرے مرادوں پائے خاوند کودیکھتا
یکے ماں بروستاں یلوداتیں	تلوار کا ایک بھرپور وار ایسا کرتا کہ
کرگز و زیشوآں جگر وارتیں	گدھ اور چیل اُسکا جگر بھنبوڑتے پھرتے
تولگ و روبایاں زخریتیں	گیدڑ اور لومڑیاں اُسکی لاش گھسیٹتے

ہجو۔۔۔۔

عومر یک بیتارے بشارانی	عومر پہاڑی کھوہ میں رہنے والا ایک لگڑبگڑ ہے
راھکے ریسین انت کشارانی	جسے کاشتکار فصلوں سے بھگایا کرتے ہیں
عومریک اپتارے کلم گوشیں	عومر ایسا کن کٹا مُردار خور ہے
وارتگے ڈھونڈ وروت ہما ہونڈءِ	جسکی گزرہی مُردار چیزیں کھانے پر ہے
پشتے ریش انت چہ کشگ ءِ ڈھونڈءِ	اُسکی پیٹھ مردار ڈھونے سے زخمی ہے
گوں دپ وسونڈارءِ نرازیں اِءِ	کتے جیسی منہ اور تھوتھنی ہے
سیہ سریں تمے موودے پاشان انت	بال بکھرے ہوئے جنگلی سیاہ ریچھ کی طرح

باہوءِ لولنگاں لپاشان انت	باہو کی گندگی اور غلاظت چٹ کرنیوالا
دستے چو ڈھوئی ءَ ڈلگانی	اُسکے ہاتھ لکڑی کی گھڑی ہوئی ڈوئی جیسے ہیں
پادے چوگشکورءَ جنکانی	پیرعورتوں کے دودھ بلونے والی تپائی
لاپے چوہُرجین ءَ نریانانی	پیٹ گھوڑے کی خورجین جیسا پھولا ہوا
سرچوسندھی ئیں وت گھڑیں دیزاں	اور سرسندھ کی بنی ہوئی خانہ زاد دیگ
زوت بکن استا برات بجن تالاں	ارے لوہار اُستاد ذرا جلدی سے گھوڑے کے نعل لگادے
یور شپادنت و کار منی بازاں	گھوڑا ننگے پاؤں ہے اور مجھے جلدی جانا ہے

ا۔نرازیں۔کتے کی تھوتھنی والا۔

جواب ہجو۔۔۔

راہگداری آں رئت ہما لوگءَ	اے راہروو! تم وہاں سے گزرتے ہو گے
مئے سلامانءَ دے پہ ورناءَ	اُس سجیلے جوان کو ہمارا سلام دیجو
ناکوزھگ شہداد خان مڑاہانی	عظمت ولا ہمارے چچازاد شہداد خان
اچ وتی کدو پیشگءَ کپتے	اب تم اپنے قد اور اپنی شان سے محروم ہو چکے ہو
نندے ہیبارے تومنی جودءَ	یہی کام رہ گیا ہے کہ بیٹھ کر ہمارے خاوند کی برائی کرتے ہو
عومرءَ ذاتے زخم جنیں سوارءَ	اُس عومر کی جو اپنے علاقے کا مشہور تیغ زن ہے
عومر مئے بگ ءِ برگیں سانڈانت	عومر تو ہمارے گلے کا منتخب سانڈ ہے
شر گچینی ماکوچگءَ چرتگ	وہ سانڈ جو چراگاہ میں خوب پلا ہو
سرمہارے ابریشمیں سستگ	جس کا ریشمی مُہار ٹوٹ گیا ہو (آزاد ہونے سے مراد)
واسے چہ ہیرواریں دپ ءَ کپتگ	ہمارے معطر ہونٹوں پر مہر محبت ثبت کرتا ہے
موڑے چہ گمزی بارگیں سرینءَ	بھڑ جیسی نازک کمر میں اُسکے ہاتھ لپٹتے ہیں

لَلّہ وگراناز

لَلّہ اورگراناز کی داستان اگرچہ عشق ومحبت کی داستانوں کے ذیل میں اس اعتبار سے نہیں آتی کہ یہ دومُحب ومحبوب میاں بیوی کے درمیان غلط فہمیوں سے پیداشدہ قصہ ہے تاہم حانی وشہہ مرید کی داستان کے بعد اس داستان کا شہرہ پورے بلوچی علاقہ میں ہے۔اسلئے کہ اسمیں بھی مرکزی نکتہ عہدوقول کی پابندی اور پاسداری ہے۔

لَلّہ اورگراناز بلوچستان کے تاریخی ساحلی مقام اور بندرگاہ کلمت کے رہنے والے تھے۔کلمت بلوچستان میں نہ صرف سکندراعظم کی فوجوں کی واپسی اور اس کے قرب وجوار میں رومی قبرستان کے نام سے اُسکی فوجوں کا مدفن ہے بلکہ بلوچ جری سردار میرحمل جیند کی اُن سرفروشانہ کاروائیوں کے لئے بھی مشہور ہے جب انہوں نے ساحل بلوچستان کے شہروں کا پرتگیزی لیٹروں سے تحفظ کرتے ہوئے مادروطن پر نثار ہونے کا عزم کیااس کا حوالہ گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ لَلّہ وگراناز کی اس داستان پر تین سوسال سے زیادہ کا عرصہ گزرچکا ہے،تاہم مکران اور بلوچستان کے دوسرے اکثر علاقوں میں لَلّہ اورگراناز کے اشعارنہایت ذوق وشوق سے گائے اور سنے جاتے ہیں۔اشعارکارنگ اوراسلوب یہ ظاہر کرتا ہے کہ دونوں میاں بیوی کی جانب سے ان اشعارکوکسی دوسرے شاعر نے موزوں کیا ہے اسلئے کہ دونوں کارنگ سخن ایک جیسا ہے۔

یہ داستان کچھ اسطرح ہے کہ کلمت کے ساحلی مقام پرمیرباران ایک مشہوراور معزز بلوچ تھا وہ بلوچی معاشرے کی ایک معتبرشخصیت تھا جسمیں بلوچی وقار، ناموس،

پاسداری، قول اور بہادری کے جوہر کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ گراناز اُسکی مہہ تمثال بیٹی تھی جسکی شادی لَلّہ نام کے ایک بہادر اور معزز جوان سے ہوئی تھی۔ شادی کو ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور دونوں محبت کرنے والے ایک دوسرے سے جی بھر کر کھیلے بھی نہ تھے کہ میر باران کے قدیم دشمنوں نے میر باران کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنی فلاں دشمنی کو بدلہ لینے آرہے ہیں جس کا فیصلہ میدان کارزار ہی میں ہوگا۔ بلوچ اپنی روایات کا بیحد احترام کرتے ہیں جس طرح وہ اپنا خون کسی پر معاف نہیں کرتے اور جلد یا بدیر بدلہ لے لیتے ہیں اسی طرح وہ دشمن کے اس حق سے اغماض نہیں برتتے جو بلوچ بدلہ لینے والے خونی کا چیلنج قبول نہ کرے اُسے معاشرے میں عزت و وقار کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ بلوچی زندگی میں مشہور ہے کہ

بیر بلوچانی تاں دو صدسالءَ	بلوچوں میں بدلہ دوسوسال تک محو نہیں ہوتا
لسئیں آہوگ دو دنتانیں!	بلکہ غزال دو دنتاں کی طرح جواں رہتا ہے
سنگ ریزنت ماں دُور بنیں چاتاں	پتھر اگر گہرے کنوؤں میں گھل جائیں ممکن ہے
کینگ ماں مردانی دلءَ جاہ انت	مردوں کے دل سے بدلے کا خیال نکل نہیں سکتا

حریفوں کا پیغام ملتے ہی جری اور دلیر میر باران اپنے بیٹوں کے ساتھ تیار ہو کر میدان جنگ کی جانب چلا، میر باران اور اُسکے جیالے بیٹوں کے ساتھ کتنے ہی دوسرے

بلوچ ہتھیار سجا کر نکل کھڑے ہوئے لَلّہ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ میر باران نے بہت چاہا کہ لَلّہ گھر پر ہی رہے مگر اُس بہادر نے یہ گوارہ نہ کیا کہ طبل جنگ کو وہ گھر میں بیٹھ کر سُنے اُس نے بھی اپنی مصری تلوار کو صیقل کیا گھوڑی سجائی اور میر باران کے بیٹوں کے کندھے سے کندھا ملائے دشمنوں کی للکار کا عملی جواب دینے میدان حرب میں آن کھڑا ہوا۔ جنگوں کی فتح وشکست عموماً فریقین کی تعداد پر ہی منحصر ہوتا رہا ہے ایسے میں بہادر داد شجاعت دیتے ہوئے اپنی جانی نذر کر کے ہی سرخرو ہوتے ہیں۔ میر باران کے ساتھی تعداد میں دشمنوں سے کم تھے انہوں نے جی کھول کر داد شجاعت دی مگر دشمنوں کی کثرت نے میر باران اور اُسکے بیٹوں کو تہ تیغ کر دیا بہت سے دوسرے زخمی ہوئے، میر لَلّہ نے تلوار کے خوب جوہر دکھائے مگر دوران جنگ اُسکی تلوار ٹوٹ گئی وہ اسی ٹوٹی تلوار کے ساتھ جنگ آزما رہا حتیٰ کہ زخموں سے چُور چُور ہو گیا۔ قریب ہی اُس کا وفادار خادم گلامو نبرد آزما تھا۔ آقا کو بری طرح زخمی دیکھ کر اُسنے میر لَلّہ کی گھوڑی پر چابک برسائے اور اُسے میدان جنگ سے نکال کر اُس کا رخ گھر کی سمت کیا۔ میر لَلّہ شدید زخمی ہو کر بیہوش ہو چکے تھے۔ میر باران اور اُسکے بیٹوں کی ہلاکت کی خبر آن کی آن میں گاؤں میں پہنچ چکی تھی اور ساتھ ہی میر لَلّہ کے زخمی ہونے مگر زندہ بچ جانے کی اطلاع بھی آ چکی تھی کہ گھوڑی اُسے اپنے گھر لانے کی بجائے جدھر مُنہ اٹھا لے کر چلی تھی۔ راہ میں میر لَلّہ کے بھائیوں نے اُسکی مدد کی اور اُسے گھوڑی سے اتار کر اپنے ہاں لے گئے۔ لَلّہ کی بہادر اور غیور بیوی سن کر ہوش وہواس کھو بیٹھی کہ باپ اور بھائی تو عزت پر کٹ مرے مگر شریک حیات سے جیسی توقع تھی وہ پوری نہ ہو سکی اور اپنی جان بچا کر وہ مارے شرم کے گھر

آنے کی بجائے بھائیوں کی حویلی میں جا چھپا ہے۔ گرانازنے شدت غم اور شوہر کی مبینہ بزدلی کے صدمے سے شوہر کے لئے اشعار کی زبان میں سخت لفظوں میں پیغام بھیجتے ہوئے یہ بھی کہدیا کہ وہ (یعنی میر للہ) آج سے قیامت تک میرے گھٹنوں کا بمنزلہ باپ اور بھائی کے ہوگا۔

ہر یہ کہ جنگانی ہلا ہوشاں
دشمنیں مرداں وزگلائیشاں
نیگدیر، مبلنجاں فراموشاں

گیر ترا کاتکنت نیاد املانی
سارت و ہونگیں کل بزرگانی

گنگل و وزبازی جنکانی
بیشتر منی ماتیں ویم ورانی۔

للہ منی لاپ ء لیٹ جنگ ماری

پر منی کونشیں زاں سراں رستے

جہاں جنگوں کی نفسانفسی کا عالم ہو
بہادر اپنے دشمنوں سے نبرد آزما ہوں
وہاں بہادر لوگ حسیناؤں کو بھول جاتے ہیں
مگر تمہیں تو حسینوں کی محفلوں کی یاد آئی
بڑے بوڑھوں کے تعمیر کئے ہوئے آرام دہ گھر یاد آئے
الہڑ دوشیزاؤں کی چھیڑ خانی میں محور ہے
اکثر و بیشتر میرے چاند سے چہرے میں کھوئے رہے
للہ! تم ایسا کر کے سانپ کی طرح میرے سینے پر لوٹے ہو
میں نے جسے زانوؤں کی پرورش دی

للّہ منی کھرانی پت وبراتے	وہ للّہ اب میرے گہنوں کیلئے باپ اور بھائی ہوا
دان صلاۃ ءِ و محشرءِ روچ ءَ	قیامت کے دن تک

گراناز کی اس طنزو تشنیع کا سبب میدان جنگ اور پیش آنے والے بعد کے حالات سے بے خبری تھی، چنانچہ وہ شوہر کی خدمت اور عیادت کیلئے بھی نہیں گئی، میر للّہ نے پیش آمدہ تمام واقعات اشعار میں گراناز تک پہنچائے تو گراناز کی آنکھیں کھلیں اُسے معلوم ہوا کہ میر للّہ نے جنگ میں نہ تو بزدلی دکھائی تھی نہ ہی وہ میدان جنگ سے پسپا ہوکر بھاگ آیا تھا مگر اس وقت تک دیر ہو چکی تھی کہ گراناز کی منہ سے وہ قسم نکل چکی تھی جو ان کی بیاہتا زندگی کیلئے تشویش کا باعث تھا۔ یہی نہیں بلکہ جذبات کی رو میں بہہ کر میر للّہ نے بھی ایسی ہی قسم اٹھا رکھی تھی کہ

گوش کن او دُریں نوک زبادانی	سن اے نوخیز مشکبو حُسن
من نکر تگ سستی اصل تانی!	آج تک میں نے کبھی سستی نہیں دکھائی
مردءَ نامرد پیداوار ءَ درست انت	مرد اور بزدل اپنے عمل سے پہچانے جاتے ہیں
مردانی جنگانی نشان ہست اَنت	مردانگی اور شجاعت جنگوں میں ہویدا ہے
نامردگوں شرمگیں دپ ءَ ست انت	بزدل اپنی گفتگو سے پہچانے جاتے ہیں
ازتوءَ گراناز ئنٹ . گہنت گرزی	تجھ سے گراناز لٹی کے وہ تنے بھلے
ہارش چہ دُوریں جاناں کارنت	سیلاب جنہیں دُور دراز سے بہالاتا ہے

شیرش پہ وشیں مہلاں زیرنت
برزمنا بیتانی سرش دارنت
براتش پہ جامی کوپگاں کارانت
گورمن و دردان تچنت پاساں

شیر اُن کو لاد کر لے آتے ہیں
اور گاؤں میں لاکر پہنچاتے ہیں
بھائی انہیں کندھوں پر لاد کر لاتے ہیں
یہ تتنے رات بھر میرے زخموں کیساتھ سلگتے ہیں

چوچراگاں روک انت ابر آساں
اگہ نہ مرتاں چے کلءِ چتاں
من پہ ہونیگاں آپ نہ باں سارتیں
عذروں چہ برفیں چادرءِ ششتگ

اور چراغان ہر زخم ہوتا ہے
اگر میں اس افتاد سے زندہ بچا
دشمنوں کیلئے جائے پناہ نہ ہوگی
میں نے من کے چادر سے داغ دھوڈالا ہے

گراناز منی بھنگانی گپھارکءِ

تو بھی گراناز میرے بھنگ کے بیالے کی بہن ٹھہری

داں صلوٰۃ وحشرءِ روچءِ

روز قیامت تک

للہ با آخر زخموں سے جاں بر ہوا۔ صحت پانے کے بعد وہ اپنے دشمنوں پر برق بنکر چمکا اور انہیں نیست ونابود کردیا اُس نے اپنی چادر شجاعت سے الزام لگائے گئے بزدلی کے داغ دھوڈالے مگر دل پر جو داغ محبت کی ملامت سے لگے تھے وہ اور بھی ہرے ہوگئے۔ کیونکہ گراناز نے اُسے گھنوں کا بھائی کہلوایا تھا اور اُس نے اپنی پیاری بیوی کیلئے ''بھنگ کے پیالہ کی بہن'' کی قسم ٹھہرائی تھی۔ تاہم یہ دُنیا جہاں محبت بھرے دلوں کو

جدا کرنے کیلئے مشہور ہے دلوں کی چارہ سازی میں بھی اسے ملکہ حاصل ہے۔لوگوں سے گراناز کی وہ بیکسی نہیں دیکھی گئی کہ باپ اور بھائیوں کی دائمی مفارقت کے بعد شوہر بھی جیتے جی اُسے چھوٹ جائے۔ اِدھر لَلّہ بھی گراناز کیلئے اتنا ہی بیقرار تھا۔علمائے دین سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے یہ رائے دی کہ اگر گراناز عمر بھر زیورات نہ پہننے اور میر لَلّہ عمر بھر بھنگ کی طرف نہ پھٹکے تو دونوں میاں بیوی بن کر رہ سکتے ہیں۔اس طرح محبت بھرے یہ دو دل پھر سے ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور زندگی بھر محبت سے معمور زندگی گزاری لَلّہ اور گراناز کی اس داستان کی متعدد نظمیں اب تک لوگوں کو یاد ہیں۔ہم انہیں یہاں درج کرتے ہیں۔

ا۔گراناز کا گلہ

گوش کن ا ولَلّہ بھنگ و مسکانی
کارنہ کپتگ چوش منا تانی
لَلّہ تئ ہنبو چوٹویں بیلی
درست کماں میان سمو انتِ قولی
پہر من بستت پیسری روچاں
گوں وتی جانی دزگہارکاں!
کنیت تئ شیری گشتنءِ احوال
گوں سری و رنایاں شلا نگیناں

سن اے لَلّہ !جام معطر کا دلدادہ
اس وقت مجھے آ پکو آزمانے کی نوبت نہیں آئی
لَلّہ ،تیرے عطر بیز گیسوؤں والے سب ساتھی
بہادر اور چیتے جیسی کمر والے جوان ہیں
کچھ عرصہ پہلے میں فخر کا اظہار کرتی تھی
اپنی پیاری سہیلیوں میں بیٹھ کر
کہ تیری شیر جیسی موت کی خبر آئیگی
اُن جوانوں کے نام کے ساتھ جو جنگ کے
پہلے حملے میں ہلاک ہوں گے

نیل کناں کل ءِ ہر چہار سریگاں

درکناں پراہ کنڈیں کڈولیگاں
گوش بنانی پارنگیں ڈُرّاں

مالک و نیل آپاں کناں سہڑاں
درستان مس زیانیں مس زیانیں ھُتّپے
شپیاں
سر مصیبتیں میڑ بے،نندان
نہ تلمیں باہنیکاں بُوریناں
سیل کناں جام ءِ بیر میں کوٹ ءَ

للہ تئی ہمراہاں مناگو شنگ
للہ چہ جنگ ءِ پاروا جتنگ
زورے پہ مل ءِ دورواں داتگ
آسے چابک ءِ شہ سرا رہتگ
گوں کڑیاں شوریگئے بور ءَ
دیم پراباران ءِ ردیں کلاں

تب میں اپنے گھر کے چاروں دیواروں پر
ماتمی نشان لگاؤنگی
اور بوجھل کڑے نکال کر رکھ دوں گی
کانوں کی زینت آویزے اور سونے کے
زیورات
نوچ کر ماتمی روپ بنالوں گی
سارے زیورات کسی گم گشتہ سنگھار دان میں
ڈالکر
ماتم گساروں کے مجمع میں بیٹھ جاؤں گی
توتھوں والی چوڑیاں توڑ دونگی
اور آنکھیں جام کے قلعہ کے ہیبتناک برج پر
لگیں گی

للہ آپ کے ساتھیوں نے مجھے بتایا ہے کہ
للہ جنگ کے معرکہ سے بھاگ نکلا ہے
اُسنے سارا زور گھوڑے کو ایڑ لگانے پر صرف کیا
اور چابک پر چابک برساتا رہا،
گھوڑے کو مہمیز دیتا ہوا
وہ (میر) باران کے گاؤں کے جانب نکلا

کل ترا بارانی گہارکاں

گاؤں کے جھونپڑے تو آپ سے میر باران کی طرح چھوٹ گئے

ہورے گوں دُرگوشاں نگوائیتان

ہر چند کہ تو میرے بھائیوں سمیت کھیت نہیں رہا

گوں منی براتاں عومرا ئیناں

میرے بھائی دونون عمر (جام) کی شان والے تھے

برات منی شاہیگیں دو مٹیگیں!

دونوں بھائی شہزادوں کی طرح تھے

پہ تئ دیما ریڑءَ بیتاں

وہ تیرے سامنے جان سے گئے

ہون اچ جان ءَ گل گل ءَ کا تکاں

خون اُن کے جسم سے فواروں کی طرح نکلتا رہا

اژ بروتان و برنگیں ریشاں

خُون اُن کی گھنی مونچھوں اور داڑھی کو بھگوتا رہا

تل تل بیتنت چوواڑہی شاگاں

اُن کے جسم زخموں سے چُور چُور تھے

ہربہ کہ جنگانی ہلاہوشاں!

جہاں جنگ وخونریزی کی افراتفری ہوا کرتی ہے

دشمنیں مرداں دَزگلائیشاں

بہادر اپنے دشمنوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں

کیگدیں مہلنجاں فراموشاں

وہاں حسین ونازنین محبوبائیں یاد نہیں آتیں

گیرترا کاتکنت نیاد املانی

جب کہ آپ کو حسینوں کی بزم کی یاد ستاتی رہی

سارت و ہونکیں کلّ برزگانی

بزرگوں کے بنائے ہوئے خوشگوار سائبانوں اور

گنگل و دزبازی جنگانی!

نازنینوں کی خوش فعلیوں میں کھوئے رہے

گیشتر منی ماہیں دیم دُرانی

خصوصاً میرے چاند جیسے چہرے اور رخشندہ آویزوں کی یاد

لکّہ منی لاپ ءِ لیٹ جنگ ماری	لکّہ آپ میرے سینے پر سانپ بن کر لوٹے ہیں
شیر منی ددکانیں گوراں متلگ	اب تو یہ سمجھ لو کہ میری گداز چھاتیوں کا دودھ پیا ہے
پہ منی کوشئیں زانسراں رُستے	اور بیٹوں کی طرح گویا میری گود میں پرورش پائی ہے
لکّہ منی سُہرانی پت وبراتے	لکّہ اب آپ میرے زیورات کیلئے بمنزلہ باپ بھائی ہیں
داں صلوٰۃ ءِ او محشر ءِ روچ ءَ	صور پھونکے جانے اور محشر کے دن تک

۲۔میر لکّہ کا جواب

گوش کن او ذرّیں نوک زبادانی	سن لے اے حسن نواور عطر آگیں
من نکرتگ سستی اِل تانی	اب تک میں نے کبھی بزدلی نہیں دکھائی ہے
مردونامرد پیداور وودرست انت	بہادر اور بزدل دیکھے بھالے ہوتے ہیں
مردانی جنگانی نشان است انت	بہادروں کی جنگوں کے نشان موجود ہوتے ہیں
نامردگوں شرمگیں دپ ءَ سُست انت	جبکہ بزدل شرمسار مُنہ لئے نظر آتے ہیں
شکلّیں گین وجانش دوست داشتنت	کیونکہ وہ جان شیریں کی حفاظت کرتے ہیں
گوشتگ تئی درگوشاں بچڈایاں	میں نے چاہا کہ تیرے دونوں شہزادوں کا دفاع کروں
گوزمن اش نیشت انت زیاد ہیں مناں	مگر مجھ سے طاقتور مدمقابل ٹکرا گئے تھے

بُن شتیں ھوںانی بُدا بُنداں
زیادہیں زورانی گلام باتاں
بادشاہاں پہ ڈمبگ ءَ گیجاں

پرانی دشمنی اُن کی آنکھوں میں خون بنکر اتری تھی
کثرت کے مقابلے میں کسی کی پیش نہیں جاتی
کثرت کی قوت بادشاہوں کوٹھیلوں پر تن تنہا کردیتی ہے

راہے مس سانڈانی سرءِ توکیں
ءَ وچار چیزءَ رانیست وفا دُوریں
جن اگہ شررنگ اِنت چو حُوریں
ہر بہ پہ مردے دست نوک سوریں
بوراگہ قیمتے بہ بیت لکھے
ہربہ پہ زینے سوار بہ بیت یکّے
مرداگہ پھر بندی بجنت جکّے
جن اگن پھر بندیت بگیپت یکّے

اوراپناراستہ شہ زوروں کے کاسہ سرے نکالتی ہے
تین چار چیزوں کا کچھ بھی اعتبار نہیں
عورت اگر خوبصورتی میں حورشائل کیوں نہ ہوں
بہرحال اُسے دُولہا کے آگے جھکنا ہوتا ہے
اور گھوڑا خواہ لاکھ قیمت کا ہو
کوئی نہ کوئی تو اُسکی پیٹھ پر متمکن ہوگا ہی
مردبھی اگر فخر کا اظہار کرے بکواس ہے
بلکل اسطرح عورت اگر جتنا بھی فخر کرے کسی کا ہونا ہے

باوراو بارانی دپ ءِ تیگ
میزریں حُب و ملک دلآرا میں
کلمتیگانی رانگیں شاتو!
گوں من وھر دو لشکرے مرداں

اے باران کے گھرانے کی تلی یقین کرلے
محبت کی دولت اور دل کا قرار
کلمتی لوگوں کی بھٹکی ہوئی کوئل!
مجھ سے اوراُس لشکر سے جس کے میں ساتھ تھا

چاڑہ جنگ جنگ دوستیں مکسیگاں
ہپت براں ماں پرینت من ءُ بورءَ
داں کمیت ءِ ابریشمیں بگشہاں
داں کہ نریان ءِ چندنیں زین ءَ
جُہلت و اوژناگ ات من وسیاہ ءَ
ہفت سِلاہ کہ سارمنا بیتگ
گوہریں تیغ ءِ ہُنڈ منی دستیں
اسپروں چُنڈ چُنڈ اِنت حراسانی
من سرءَ ژند انت ہول سیستانی
چاردہ چروکیں تیر منی جانیں
بید سگارانی تاجگیں ٹپاں
ناخُن ءِ گیگ نیستیں منی جان ءَ

انگت ہوں پیڑاتگ پرے زخم ءَ
مس دل ءَ بیتہ بیڑھے بیاراں
گپت منا سیہ سوچیں گلامو ءَ

جنگ آزمودہ مگسی آکر ٹکرائے تھے
سات مرتبہ مجھے گھوڑے نے پٹخ دیا
اور میں گھوڑے کی ریشمی ایال تھامے رہا
کتنی مرتبہ گھوڑے کی زین الٹ الٹ گئی
میرا کالاگھوڑا دشمنوں میں تیرتا رہا
سات ہتھیار سجا کر گیا تھا جب ہوش آیا تو
تیغ آبدار کا ٹوٹا ہوا دستہ ہاتھ میں تھا
ڈھال جوخراسان کی بنی تھی ریزہ ریزہ تھی
اور سیستان کا بنا خود پارہ پارہ ہو چکا تھا
چودہ متحرک تیر میرے جسم میں موجود تھے
تلواروں کے زخم ان پر مستزاد
میرے جسم میں زخموں کے باعث ناخن
دھرنے کی جگہ نہ تھی

اسکے باوجود قبضہ تلوارے سے جنگ جاری رکھی
میں چاہتا تھا کہ ایک زوردار حملہ کروں
مگر نالائق غلاموں نے مجھے پکڑا

ا۔زمانہ قدیم کی جنگوں کے سات ہتھیار یہ ہیں(۱) تلوار۔(۲) خنجر۔(۳) نیزہ۔(۴) کمان۔
(۵)ڈھال۔(۶)ترکش۔(۷)خود۔

گپتے منادوز واہی سروباسکاں
براتاں پہ بچل برتکت لڑّ ءَ
مات گہاراں گوں سنگہیں دستان
بوپ بالشت و گالیاں شپتاں
ہون وریم ہورگیگ وہواریگ ءَ
مثل تلارانی چمگ و جوءَ
خانہ زاتاں پہ محری دستاں
رتک انت من کرناوبڑا لکاہاں
ہفتمی بانگواہ ءَ نماچی ءَ
درھلگ ءَ گروکیں زریانگ ءَ
کاپری ایرتگ ابردریکاں
دل منی آپ بیت وجگر کوہیں
پہ وتی اولاک ءَ توبہین ءَ
ازتوے گراناز کنٹ گہہ انت گزی
ہارش چہ دُوریں جاناں کارانت
شیرش پہ وشیں مہلاں زیرنت
برمن آبیتانی سرادارانت
براتش پہ جامی کوپگاں زیراں

وہ دوستوں کی طرح مجھ سے لپٹ گیا
(بعد میں) بھائی مجھے اپنے گھر اُٹھا کر لے گئے
ماؤں بہنوں نے نہایت محبت کے ساتھ
بستر، گدھوں اور سربانوں میں جکڑ لیا
خون اور پیپ کی ندیاں اسطرح بہتی رہیں
جیسے پہاڑی چشموں کا بھاؤ
خانہ زادوں نے یہ گندگی اپنے ہاتھوں سمیٹی
اور خودروگھاس میں جاکر ڈالی
ساتویں دن علی الصبح
گھوڑا ایک مہیب آواز سے گرا
جیسے کسی نے اس کو چھت سے نیچے پٹخ دیا ہو
اپنے قوی مرکب کی اس حالت پر جگر خون رویا
یہ ہوئی میرے قوی الجثہ گھوڑے کی حالت
گراناز! آپ سے تو درختوں کے تنے بھلے
جنہیں دُور دراز سے سیلاب بہا لاتا ہے
لوگ انہیں سراور کندھوں پر اُٹھالاتے ہیں
وہ یہ تنے گاؤں میں لاکر پہنچاتے ہیں
بالخصوص میرے بھائی جام تمثال کندھوں پر

گوُرمن و دردان سُچاں پاساں

چوچراگاں روک انت ابرآساں
جام اسماعیل ءِ کوپگ ءَ گسنگ ءِ

بنڈءُ دارانی کشگ ءَ ریشیں
گراناز توتنکیں چادرے چُنڈے

لسئیں مات آسکی گڈکاں بے
بیائے منی چپی نیمگ ءَ نندے
توآگن کھیں ءِ پلوءَ زیرے
تازگیں ٹپاںءَ پدا گندے
وت گشے دیوانگ تراچون انت
للّہ دیوانگ وت ءَ مُپت ءَ
پرچیءَ جنبوری جساں شپتگ
اگہ نہ مرتاں من پےکل ءَ پچاں
من پہ ہونیگاں آپ نباں سارتیں
دُور بنیں چاتاں سنگ اگن ریزنت

یہ تنے میری تکلیف میں رات رات بھرآگ
پر جلتے ہیں
اور چراغوں کی روشنی بنتے رہتے
ان تنوں کو ڈھونے سے جام سماعیل کے
کندھے سوجے ہیں
اور لکڑیاں ڈھوتے چھِل کر زخمی ہوگئے ہیں
گراناز مجھے تو حسرت رہی کہ تو میرے چادر کا
پلو اٹھا کر

میرے بائیں طرف آ کر بیٹھ جاتی
اور کمبل کا کونہ اُٹھا کر دیکھتی
تجھے تازہ زخم نظر آتے
تب تو پکار اُٹھتی کہ دیوانے یہ تجھے کیا ہوا ہے
کیوں للّہ دیوانے تو نے مفت میں خود کو
شعلہ آتش کے حوالے کردیا ہے
میں اگر زندہ رہا اس افتاد سے نجات ملی
دشمنوں کیلیے ہرگز بھی ٹھنڈا پانی نہیں ہونگا
گہرے کنووں میں پتھر گھل سکتے ہیں

کینگ چہ مردانی دلءَ کنز نت
سنگ ٔریزاں ماں ڈُور بنیں چاتاں
کینگ ماں مردانی دلءَ جاہاں
بیر بلوچانی تاں دوصد سالاں لسّیں
سرداناں دودستانیں

مگر کینہ مردوں کے دل سے محو نہیں ہوتا
اگر پتھر گہرے کنوؤں میں نہیں گھلتے
تو کینہ بھی مردوں کے دل میں جاگزیں رہے گا
بلوچوں میں بدلہ تو دوسو سال تک نہیں بھولتا

داں دوشش ماہءَ کشور اندازی
گوں دشمنیں مردان اِنت منی بازی
پرتئی زرد ءِ کیتگیں براتاں
زُمبت ومولائی گروں بستگ
من تئی براتانی عوض کرتگ!
عذروں چہ برپیں چادرءَ شُشتگ

سال بھر تک میں کمان کشائی کی مشق کروں گا
کیونکہ دشمنوں سے مجھے بدلہ لینا ہے
تیرے جوان بھائیوں کے خون کے بدلے
میں نے درہ مولا میں راہ روکی
تیرے بھائیوں کا میں نے بالآخر بدلہ لے ہی لیا
اور برف جیسی اپنے نام کی چادر سے داغ دھو ڈالے

گراناز منی بھنگانی گہارکءِ
داں صلوٰۃءِ او محشرءِ روچ ءَ

گراناز تو بھی میرے بھنگ کی بہنا ہے
صور پھونکنے اور محشر کے دن تک

گراناز کا پیغام

میتگ ءِ شہہ کاڑاں کن اِت فکرے
پرمن یک گونڈیں چارہے سازات
للہءَ منتے کن ات بازیں

گاؤں کی منتخب حسینو!
میرے لئے چارکاری فکر کرو
للہ کی بہت ساری منتیں کرو

اے رہ ءَ بہ ایت پہ موذگی پاداں
دست بجنت نوخطاں تنکیناں
لنلک و مندریگاں طلائیناں

اس راہ سے گزرتے ہوئے لمحہ بھر کو ٹھہر جائے
وہ اپنے خط نورستہ کو سہلائے
اپنی انگلیوں اور انگوٹھیوں کو سونے کے
سہلائے

من دلءَ رد داتگ وتی بازی
کایاں ٹپی تئی دست و انبازی
ذات و زریاتی دہ صدی تازی

میں نے اپنے ہاتھوں اپنی بساط الٹ دی ہے
اب تیری زخمی یادیں ہی سینے سے لگاتی ہوں
اپنے ہزاروں کی قیمتی گھوڑی کو جونجب
الطرفین ہے

کیہوات مستیں داتگ ات جلواں
نزیک مس کلانی کش وکزاں
ترامڑایاں داتگ وتی گوازی
ریٹوءَ بر اُتن دیتت ہم تنگی

مستانہ واریہاں سے ایڑ لگائی ہے
جب جھونپڑوں کو قریب آ گزرتا ہے تو
تیری اما تجھے ملنے سے باز رکھتی ہے
میں جب خون میں نہائے بھائی ساتھ
ساتھ دیکھے

اچ دلءِ دوتن گوشت ہمے رنگی
''للہ تو ورنائے نئے جنگی''
نون کہ منی گال اِت اشکتنت سردیں
اچ چمودءَ واگت پدا گردیں
زہر کنی ماتءِ جاگہءَ ریتءَ

بدہو اسی میں یہ بات کہی تھی کہ
''للہ تو جنگ آزمودہ بہادر نہیں ہے''
جب تو نے میری جلی کٹی باتیں سنیں
راستے ہی سے پلٹ پڑا تھا
اور ناراض ہوکر اپنی ماں کے ہاں چلا گیا تھا

بیقرار ءَ گوں محرماں کپتہ	وہ سب تیرے محرم ہی مگر تو وہاں کتنا بیقرار رہا
ہر قدر کایاں من گورئت ننداں	میں اس خیال سے آ کر تیرے پاس بیٹھتی ہوں
تا جگیں ٹپاں ءَ پدا گنداں	تا کہ تیرے زخم ایک نظر دیکھ کر
دست گوں بابزکاں رونت بڑزا	چوڑیاں بھری کلائیاں اٹھا کر دو ہتھڑ مارلوں
چونہ آشنائی داتگے دیرءَ	ایک عرصہ تک تو نے وہ محبت بخشی ہے
برات باداتگ چندھا بازیں	کہ سوچتی ہوں ایسے بھائی کتنیں کھوئے ہونگے
جست ورپرس ہستنت گوں ہزار نازیں	لیکن اپنے ناز بردار سے پرسش رہنی چاہئے
مرد نامرد پیداواءَ درست انت	بہادر اور بزدل واقعی جانے پہچانے جاتے ہیں
مردانی جنگانی نشان ہست انت	بہادروں کے جنگی نشانات موجود ہوا کرتے ہیں
نامرد گوں شرمیگیں دپ ءَ ششت انت	بزدل شرمسار منہ لئے پھرتے

للّہ کا جواب

شکر اچ شاہیں قادرءَ کیڑاں	خدا اور قادر کے شکر و احسان پر قانع ہوں
من وتی موجیں خاطرءَ جھیڑاں	میں اپنے پر شوق دل سے ہمکلام رہتا ہوں
ہر قدر ذرّہ گوہراں سیڑاں	اور اس مکالمے میں درد گوہر سمیٹتا ہوں
دوتی ئے پڑنیاں گنازالاں	کیا میں اُن عورتوں سے محبت کی توقع کروں
گیشتر پہ زردءِ ششگلیں مالاں	جو دل کی دولت کی بجائے دولت دنیا کی شائق ہیں
دوست نباں مہرنگیں کساں سالاں	غالباً اسی لئے میں اکثر کو ناپسند کرتا ہوں

مال گنا دنیادار بے باز انت	دولت تو دولتمندوں کے پاس بہت ہے
کبہنیانی وہدءَ کناں سُستی	مگر محاربے کے دوراں پیٹھ دکھاتے ہیں
اوداں کہ جنگانی نما چی آں	جہاں جنگ وجدل کا میدان گرم ہوتا ہے
ہیژگ انت سیوائی کمانانی	سیوائی کمانوں سے سنسنا کر تیر نکلتے ہیں
شیلگیں زرمشتیں بِگارانی	چاندی کے قبضہ والی تلواریں چمکتی ہیں
ہنزاش احوالاں پدا کاراں	بزدل اور نکمے وہاں سے صرف خبریں ہی لاتے ہیں
مرکباں واگانءَ نہ گناراں	وہ گھوڑوں کی باگیں میدان جنگ کی سمت نہیں اُٹھاتے
چمش کپنگ پہ کنگراں اوداں	بلکہ بہادروں کو دیکھ کر اُن کا پتہ پانی ہوجاتا ہے
کشیلگیں زرمشتیں مزار کوداں	جہاں شیروں کو نیچا دکھانے والی تلواریں چمکتی ہیں
ہنز پچما بیمءَ لرزنت چوبیداں	بزدل اور نکمے بید کی طرح لرزاں رہتے ہیں
زال اش پہ اُستینک ءَ گرنت ھیداں	اُن کی بیویاں اپنے آستینوں سے اُن کا پسینہ پونچھتی ہیں
ہنیوگءَ ہیزانی دل رکیت	تیروں کی سنسناہٹ سے بزدلوں کے چھکے چھُوٹ جاتے ہیں

چوٹ بروتش پہ جیلتے سگ انت	میدان کارکی ہولناکیوں کو شیر مرد ہی برداشت کرتے ہیں
گریونت ہمازال پہ سُمبیں جوداں	اوراُن جیسوں کی بیویاں اپنے پیاروں کا ماتم کرتی ہیں
ہچو بشامی گوزنگیں نوداں	وہ ساون بادوں کی جھڑی لگا کر روتی ہیں
چُج بنت کل نمیں سومری سازیں	گاؤں کی نازنینیں جمع ہو کر آتی ہیں
خوش لسانین وطوطی۔ الفاظیں	وہ خوش گفتار اور طوطی مقال ہیں
پرہا مرداں زیب دنت نازیں	واقعی ایسے جوانوں کیلئے (انکا ماتم کرنا) زیب دیتا ہے
لاشہ اِش ہمتنگ انت ابرلوکاں	جن کی لاشیں جوان اونٹوں پر لد کر لاتی ہیں
چج انت مابرچیں چادری توکاں	اور جو کفن کی برف جیسی چادر میں لپٹے آتے ہیں
اِش ماں ڈالشاہیں بروتان انت	جن کا خون گھنی مونچھوں پر جم کر رہ جاتا ہے
برنگلیں ریش چوریتوءَ ایر انت	جن کی داڑھیاں خون سے لالہ گوں ہوتی ہیں
مردکشیت نامردتومرے مفتءَ	مرد نامرد بزدلوں کو طعنے دیتے ہیں کہ نامرد!
زانا چہ خضرءَ کاگدے گپتہ	تم بیٹھے بٹھائے مرجاؤ گے خضر سے دستاویز تو نہیں لکھوا کر لائے
ناگہاں سوچاکیں تپے کاریت	اچانک شدید بخار حملہ آور ہو کر
روت تئی ساری کیت بیساری	تمہاری توانائی بیہوشی میں بدل دے گا

زال پہ نوک ریشے دگر چاری	اور تمہاری بیوی کسی گھبرو کو تاک کر اسکی ہو جائیگی
کو نتریں گوناپ ءَ بہ سنگھاری	وہ اپنے کبوتر جیسی خوبصورتی وک سنوارتی ہے

گرانازکی پشیمانی

اومیتگ ءِ گران قیمتاں	اے گاؤں کی بیش بہا نازنینو
شہہ کاڑ حاتونی جناں	شہزادیو! باوقاربی !
شرنہ انت ابر جودءَ شگاں	شوہروں پر طعن و تشنیع مناسب نہیں
ہنچو گنوکیں ابرشاں	یہ ایک طرح کی دیوانگی ہے
ایرانت مس جنبوری جساں	یہ گفتگو شعلوں میں مستور ہوتی ہے
گڈاں پدا بژن وراں!	بعد میں رنج اور افسوس کا سبب بن جاتی ہے
تکہَ پہ براتان براں!	بیویاں (ناچاقی کے بعد) بھائیوں کے گھر کا رُخ کرتی ہیں
چارروچ ءَ لوگ ءِ مستراں	(بجاہے) چاردنوں تک گھر پر اُن کا اختیار رہتا ہے
یک مدتے روَت وگوَزیت	کچھ وقت اس طرح گزر جاتا ہے (مگر)
شومیں نشارش قہر بیت	بدبخت بھاوج کا غصہ چمک اٹھتا ہے
جودءِ بدل جودرسیت	مانا کہ شوہر سے چھوٹ کر دوسرا شوہر مل جاتا ہے

بلکن ءَ ہنزونا کسے
مس کنہاں صیدی ترسے
زیری بڈنگیں گبنداں
پہ عشق مہلنجیں جناں
سنگی پریں ہمسایگاں
بازارءَ پئی ٹیڑاں
کایاں تچانءَ سومری
دل سوتلگیں آہو پَری
کایاں سردسوج کناں
پنت اوں پرا دیمءَ جناں
براہندگیں برات مرتگنت
جوریں بدیگاں کشنگ انت
تیگی رہانش درشنگ انت
نامرد پدا پشت کپتگ انت
ما ایدگہ صبر کناں
کئیت و منا گواجار دنت
بڈئیروئیں زال گشیت
گریہنین دوجاگہءَ پرشیت
شیری دوارءَ جاگہ ءَ

ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی بزدل اور نکمہ ہو
رزم کے موقع پر رم آہو کا نمونہ بنے
اور لمبے لمبے ڈگ بھر کر میدان سے بھاگنے والا
حسینوں کے عشق کا مارا کوئی متوالا ہو
جو معزز ہمسایوں کیلئے وبال جان بنتا ہو
جو گلی محلے میں ناقابل اعتبار ہو
(قدرتاً اُسکی شکایت لئے) محلے کی حسین عورتیں
سینہ سوزاں لئے آہو چشم پریاں
(بیوی کے پاس آکر) دُکھڑا روئیں
(ایسی عورتیں آکر) مجھے بھی پندونصائح کرتی ہیں
چاہنے والے بھائی مرکھپ گئے
دشمنوں نے اُنہیں ہلاک کردیا اور
تلواروں کی ضیافت کی
اب تو بزدل اور نامرد ہی رہ گئے ہیں
میں اُن کی باتوں پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتی ہوں
آکر مجھے ترغیب دیتی ہے
وہ جو معتبر کی بیگم ہے کہ
گانٹھ عموماً دوجگہوں سے ٹوٹتی ہے
خصوصاً بہادروں کے گھر اور خاندان میں

ہفتار بیت چو چوروان	ایسی عورتیں محلے کے شریر لڑکوں کی طرح ہیں
جن ٹلستیں کنت انت ہوا	جو ہوا اور ہوس میں مبتلا ہو جاتی ہیں
گندیت ریش و چوٹوان	مردوں کی داڑھی اور بالوں پر فریفتہ ہوکر
لجءِ ہزاری کنت بہا	انمول غیرت کا سوداکر بیٹھتی ہیں
باجانءِ دنت پہ بے حیا	اور نہایت بے حیائی سے اپنی متاع لٹاتی ہیں

للہ کہتا ہے

اور کنگریں براہندگاں	اے میرے گھبرو دوستو، ساتھیو!
شیری تپاکیں ہمبلاں	جو شیرانہ ساتھ دیتے ہو
گراناز گونے درد انگاں	گراناز ان گھبرا پارا حسینوں میں بیٹھکر مجھے طعنے دیتی ہے
پردیم پُھلیں ہمبلاں	ان سجیلے ساتھیو کے سامنے
چولاگ لپاشیں گونڈلاں	یہ طعنے میرے توانادل کو تیر بنکر چھیدتے ہیں
سوچنت منی جان و دلاں	میرے جان و دل پر برق بنکر گرتے ہیں
دردگے کہ دردگ بستگ جناں	یہ غلط ہے یہ (طعنے) عورتوں کے جھوٹ ہیں
سانڈ مرنت پہ کنہاں	کہ دلیر تو صرف محاربوں میں کام آتے ہیں
جنگی ہوس و ہے ہیہاں	اُن کے دل میں جنگوں کی ہوس اور اشتیاق ہے
پہ ہمکناریں شاہداں	میرے ہمکنار ہوکر لڑنے والے گواہ ہیں
چون اوں کتگ گوں دشمناں	میں نے دشمنوں کو کس طرح تلوار کی نوک پر لیا تھا
پنچ پہ مزن کودءِ رہاں	بڑے پھل کی تلوار نے پانچ دشمنوں کو

چوتجگاں کاڑ داتگاں	خربوزوں کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا
ہپت پہ ابربل ءِ سرءَ	سات نیزے کی انی نے چھید ڈالے
روتان وڈاں گارگت ءَ	جن کی انتڑیاں باہر آگئیں اور ہڈیاں چھد گئیں
دہ پہ گچینی گونڈلاں	دس کو منتخب تیروں نے فگار کیا
چھینتنگ وجاہی جتت	کہ یہ تیر میں نے نشانہ پر پوری قوت سے چلائے تھے
آں بیر کہ گوں من منتگاں	جو جو حریف مزاحم ہوئے
یا ٹپی انت یا مرتگاں	یا تو گھائل کردیئے یا موت کے گھاٹ اتاردیئے
ہنزاں زہیراں زرتگاں	بزدلوں کو گھروں کی یاد ستانے لگی تھی
ساہش وتی دربرتگنت	جان بچاکر بھاگ نکلے تھے
ٹپ شاہد وپیداورنت	اُن کے لگائے ہوئے زخم میرے جسم
مں کوپگ وبیسی سراں	اور سرکاندھوں پر ابتک موجود ہیں
جان ہول پوشاں پلتگ	زرہ بکتر وغیرہ نے مجھے بچائے رکھا
گل بوگ چہاردہ جلتگ	بہ ایں ہمہ چودہ نوکیلے تیر جسم پر کھائے
ہفت پہ نریان ءِ سینگ ءَ	جبکہ ساتھ تیر گھوڑے کے سینے میں پیوست ہوئے
جامیں سماعیل گش اتنت	جام سماعیل نے اپنے ہاتھوں سے تیر نکالے ہیں
نوں پر منے گش داتگنت	اُس نے میرے جانب پھینک دیئے تھے
من پردماگاں برتگنت	میں وہ تیر خاطر میں نہیں لایا
بواز دل پاد کتنت	دل سے یہ وجدانی آواز آئی

زانتن کہ گہ بازمیت
نے ثورگ ءِ دانان ء وارت
نے گڑھواریں لیتوآں
نے ہنب ءِ سوزیں گرنچاں
جوانیں جن و جوانیں الاک
پہ دسترس و دُنیاء واک
نیزگار بنت ہردم ہلاک
گراناز تئی براتانی مَٹ
من ماں دل ء جوڑ یتگ انت
چوں پرُمبین ء مندہ ء
طاؤس پریں نودبندگ ء
نازنت پہ علی جان ء لڑء
ایش نگرداں کہبوء
مں کلمتیگ ء توروء

میں جانتا تھا کہ میرا گھوڑا مرجائے گا
کیونکہ نہ تو وہ خورجین کا دانہ کھاتا ہے
نہ ہی گڑ ملایا ہوا راتب
وہ ہنب کی خوشبودار گھاس کو بھی منہ نہیں لگاتا
اچھی بیوی اور اچھا مرکب
ہر کسی کے بس کا نہیں مالی حیثیت اور رسائی پر ہے
اسلئے تو نادار ہلاک ہوجاتے ہیں
گراناز! تمہارے بھائیوں کا بدلہ
میں نے دل میں نہاں رکھا ہے
مبین اور مندہ کے لئے جیسا کہ ہوا
یا طاؤس صفت نودبندگ کے لئے
علی جان کو تلوار پر ناز ہے
یہ سلامت اور زندہ نہیں گھومیں گے
کلمت کے بہادروں کے گڑھ میں

گراناز کا اضطراب

نودپادکائینت اچ زرء
کائینت چوبزیں ساوڑء
برزانت پہ آسمان ءِ گورء
جہلنت پہ نیلبوئیں زرء

سحاب سمندر سے بلند ہوتا ہے
اور نیلگوں سمندر کی طرح بڑھتا آتا ہے
بلندی میں آسمان کو چھوتا ہوا
اور پستی میں سمندر سے گلے ملتا ہوا

شنگ انت ماں بڑزیں تیبرءَ
گوارنت و ساسارنت منا
براتوں شتنت شاہی تبیں
جوڈوں نہ زیریت ہمئیں
راجانی ولجہ للہ ایں
بے مٹین و ارے کلببیں
کینگ بلوچی چونہ ایں
مردءَ جنیں باٹ وبلیں
شیطاں ماتوکءَ خلخلیں
یک ساعتے زور آوریں

اردءِ سچا و بُلبُلیں
گڈءَ کہ کنیت دستے گوریں

للہ منی برات، برنگلیں
مُرتنت ملوک شاہی بتیں
انگت کہ دل بڈی نہ دنت
دوستءَ دلاسائے نہ دنت

یہ بادل بلند کوہساروں پر پھیلے ہوئے ہیں
اور برس برس کر مجھے تھپک رہے ہیں
شہزادہ صفت بھائی کھودیئے
اور محبوب شوہر منہ نہیں لگاتا
للہ جو بہت بڑی قوم کا مالک ہے
بہادری میں سب پر بھاری ہے
بلوچی کینہ ایسا تو نہیں رکھنا چاہئے
میاں بیوی تو باہم ہمراز ومحرم ہوتے ہیں
البتہ شیطان درمیان میں خلل انداز ہے
تاہم صرف ایک لمحے کے لئے (شیطان) قوی ہے

اس لمحے ا میں وہ فوج ہے، صداقت ہے بُلبُل ہے
مگر اس لمحے کے بعد اُس کا ٹوٹا ہاتھ گلے میں پڑا ہوتا ہے

للہ! میرے بھائی گھبرو اور حسین تھے
وہ شہزادے مرکھپ گئے
مگر اب تک تو تسلی نہیں دیتا
اپنی پیاری کو حوصلہ نہیں دیتا

ا۔ یعنی شیطان وقتی طور پر خرابی کا باعث ہوتا ہے۔ عواقب پر نظر کرنے کے بعد اسے شکست ہوتی ہے۔ اُسکا ہاتھ ٹوٹ کر اسکے گلے میں پڑ جاتا ہے۔

براتائی تاوانوں گوریں
تئی بیقراری بدتریں
آشگدلی زیادہ تریں

بھائیوں کا نقصان ایک طرف ہے
تیری دی ہوئی بیقراری دوسری طرف
یہ اُس سے بھی زیادہ دل تنگی کا باعث ہے

للہ اور گراناز کی نئی زندگی

جی منی ماہیں دوست وفاداریں
مہ لقا، دابانی نزانکاریں
پُل وسوغات وبرات وتکاریں

طاقت ودلگوشءَ بدار باریں
پرتئی براتانی سرءِ سوگند
تئی خلبان وگوش گرداں
پرتئی سیاہ و ڈکمیں گجگاں
تئی تنک و رنگ داتگیں رکاں
پہ تئی ڈکانیں گوروباراں
سہ و چار ہوناں کہ منے گچنگ

یکے پہ گبہ بازءَ پریشاناں
نوارت کدیمان وکیڑہے بوناں
نوش نکنت کنڈی تر ونگلیں آپاں

خوشا اے میری وفادار محبوبہ
چاند جیسی، مگر حالات کے رُخ سے ناآشنا
تیرے پھول جیسی سوغات کے بھائیوں
نے میرے ہاتھ رہ کر جان نثار کی ہے
تو ذرا صبر کرے، ذرا ہمت سے کام لے
مجھے تیرے بھائیوں کی جان کی قسم
مجھے تیری گیسوؤں اور کانوں کے بالوں کی قسم
تیرے سیاہ گھنگریالے بالوں کی سوگند
تیرے گلرنگ ہونٹوں کی قسم
تیرے گلستان شباب کی قسم
ایک نہیں، تین چار خون ہیں جنکے لئے میں
پریشان ہوں
ایک تو کوہستانی مرکب کا دکھ ہے
جو راتب اور سبزہ چارہ کچھ بھی نہیں کھاتا
نہ ہی گڑھے کا شفاف اور خنک پانی پیتا ہے

دوی کہ بیلٔن رپتگاں جنگی
برنگلیں براتوں مرتنت ہم تنگی
یمی کہ بالادوں نہ انت جنگی

ریم ءُ ہون ہوریگ ءَ ہواریگ ءَ
چوتلارانی چمگ ءُ جوآں
اے رچاں انت ماں مخمل ءُ بوپان
مات ءُ گہاراں گوں سنگہی دستاں
شپتاں ماں تالاں زرنگارینا
خانہ زاتاں پہ محری دستاں
رتکاں ماں کرنا ءُ بڑا لکاہاں
شادہی زُرتگ دُشمنیں مرداں

بچ پڑی زیاں بیت انت چرے
درداں
چوکپوت ءَ بازاں کناں گرداں
گربۂ پچاں پہ حکم خاوند ءَ

دوسرا دکھ یہ ہے کہ جنگ کہ میرے ساتھی نہ رہے
جیالے اور دلیر بھائی ایک ساتھ مارے گئے
اس پر مستزاد یہ کہ میری قامت ابھی جنگ
کے قابل نہیں

خون اور پیپ کا دریا ہے
جو چشمہ کہستان کی طرح جاری ہے
اور مسلسل مخملیں بستر پر بہے جا رہا ہے
ماں اور بہنیں کنگن پہنے ہاتھوں سے سمیٹ کر
بڑے بڑے کھڑاہوں میں باہر پھینک رہی ہیں
خانہ زاد ملازم اپنے ہاتھوں سے یہ گندگی
لیجا کر کوڑے اور لمبی گھاس میں ڈالتے ہیں
اس سے دشمنوں کی صف میں اظہار مسرت
کیا جا رہا ہے
کہ اس مرتبہ اس صدمے سے یہ جانبر نہ
ہو سکے گا
اور خوشی سے کبوتر کی طرح اڑتے
اگر خدا تعالیٰ کی مہربانی سے میں اس دکھ
سے شفایاب ہوا

ا۔ داستان کا بیشتر مواد بشیر احمد بلوچ کی کتاب "للہ وگراناز" سے شکریہ کیساتھ ماخوذ ہے۔

دشمنیں مرداں نیلاں پہ زندۂ
دست مہ بندات اوردرم گوریں کاڑاں
لولوۂ باہینگاں طلاھیناں
نوں شمے مثتاں بسے زیراں
پمنی چماں آ اہل ماہیں

نوں بدل بیتگ دوست دلخواہیں
ہردوکاں بستگ قولے ناراہیں

گراناز پہ سُہر وسن پراھنگاں
پرس کن ات ملاہاں پڑوکیناں
قاضی آں حق راستیں گشوکیناں
گوشتگ ات ملایاں ہمے رنگی
گراناز وتی سُہرۂ پوشگابلیت
للہ وتی زردۂ پیالۂ جلیت
یک ویک بالاد شمئے ملیت
شما ہما پیشگیں جن و مرد ات

تو اپنے دشمنوں کو جیتا نہیں چھوڑوں گا
بارسینگاری ہوئی حسینوں ہاتھ مت جوڑو
اپنے کلائی کے زیورات اور چوڑیوں کیساتھ
میں خود تمہارا شکر گزار ہوں گا
میں سمجھتا ہوں کہ میری چاند جیسی (بیوی)
محبوبہ میں

اب پہلے کے مقابلے میں تبدیلی آچکی ہے
ہرچند کہ ہم دونوں نے غلط قسم کی قسمیں
کھائی ہیں

گراناز نے زیورات کی اور میں نے بھنگ کی
تاہم علمائے دین سے استفسار کیجئے
ایسے اہل شرع سے جو حق آگاہ ہیں
علماء نے یہ رائے دی تھی کہ
گراناز زندگی بھر زیورات نہ پہنے
اورللہ بھنگ کا پیالہ پینے سے پرہیز کرے
دونوں باہم مل سکیں گے
اور پہلے کی طرح میاں بیوی بن کر رہ سکیں گے

عزت و مُہرک

عشق صد منصور کشت وحُسن صد یوسفؔ فروخت

بوالعجب ہنگامہا گرم است در بازار ما

بلوچی عشقیہ لوک داستانوں میں عزت ومہرک کی داستان بھی حانی وشہہ مرید کی داستان کی طرح بلوچ عوام میں بہت مقبول ہے۔ عزت اللہ جسے عرف عام میں عزت کہا گیا ہے پنجگور کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے اُن کی کلام اور دیگر قرائن بتاتے ہیں کہ میر للّہ کے اس قابل فخر بیٹے نے عربی فارسی زبانوں کا (جیسے کہ اُن ایام میں رواج تھا) درس بھی لیا ہوگا۔ خاندانی طور پر عزت اللہ سنار کے پیشے سے وابستہ رہے مگر جب عشق بتاں نے دل پر اثر کیا تو کام کا یہ آدمی بھی صرف شاعری تک محدود ہو کر رہ گیا البتہ سوزدل کا چارہ کرنے کیلئے اُس نے بہت سے ملکوں اور علاقوں کی سیاحت کی ان کا ذکر خود عزت کے کلام میں بھی ملتا ہے۔

من عاشق خدایاں بر دین مصطفیٰ یاں	میں حق کا متلاشی ہوں دین مصطفیٰ پر قائم ہوں
عزت بن للّہ یاں۔ چو شہہ مرید جلایاں	عزت ابن للّہ ہوں شہہ مرید کی طرح شعلہ عشق میں جل رہا ہوں
کچکول عصاءِ زیراں۔ چو کابلی فقیراں	کشکول وعصا لئے ہوئے کابل کے فقرا کی طرح
مکر گدائی پنڈاں۔ من مہرک ءَ نگنداں	گداگری کرتا ہوا ہر شہر میں مگر مہرک کو نہ پایا
پنجگور تاں جیوانی ءَ۔ کابل غزنوی ءَ	پنجگور سے جیونی پھر کابل اور غزنی گیا

گنداوگ ومری ءَ۔ نگنداں پُشیں پری ءَ	گندواہ اور کوہستان مری گھوما مگر اس پری کو نہ پاسکا
سرباز تا پیردان ءَ ۔رپتوں تمام ایران ءَ	سرباز سے پیردان تک بلکہ تمام کا تمام ایران گھوم آیا
داتر کتوں پہ پیرداں۔ گشتوں پہ ایرفشان	پیردان لوٹ آیا۔ایرفشاں دیکھ ڈالا
من مہرک ءَ نگنداں	مگر مہرک کو نہ پایا

عزت کا تعلق پنجگور میں باران زئی قبیلہ سے بتایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ عزت پنجگوری کا بلوچی زبان کے مایہ ناز شاعر حضرت ملا فاضل رند سے گہری دوستی تھی اور ملا فاضل رند ہی کے ایما پر عزت پنجگوری مہرک کا نادیدہ عاشق ہوا تھا اس بارے میں کچھ لوگوں نے اس دور کے ایک اور بلوچی شاعر ملا بوہیر کو بھی شامل کیا ہے اور فاضل کے اشعار کا حوالہ دیتے ہوئے یہ توجیہہ کی ہے کہ انہوں نے ایمائیت کے ذریعے عزت پنجگوری کو مہرک کے حسن کا والہ وشیدا بنایا تھا۔ وہ اشعار یہ ہیں۔

کپودرماں گلیں دمب ءَ	ایک کبوتر مٹی کے بنے آشیاں میں
کجام دیم ءَ بدئیں لمب ءَ	کدھر؟ کس سمت دیکھوں ؟
درئیگ وکارءِ لمب ءَ	وہ جو دریچہ ہے اُسکی سیدھ میں
دوتیرے ششتہ پہ جنگ ءَ	دوتیروں سے مسلح آمادہ جنگ ہے

اس حوالہ کو درست ماننے سے عقل قاصر ہے۔ اسلئے کہ ان اشعار کا جو پس منظر بیان کیا گیا ہے وہ صدیوں سے تسلیم شدہ واقعہ کے تابع ہے اور ملا فاضلؒ رند نے ایمائی مکالمہ کے ذریعے اپنے ذہین وباکمال بھائی ملا قاسم رند سے کہے تھے۔

وہ واقعہ اس طرح ہے کہ دونوں بھائی کسی محلے میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے کہ ملا فاضلؒ کی نظر ایک مہوش حسینہ پر پڑی چونکہ ان کے آس پاس دوسرے لوگ بھی تھے اور اُن کی زبان سمجھتے تھے اسلئے ملا فاضلؒ نے ملا قاسمؒ کو متوجہ کرنے کیلئے اشعار میں فی البدیہہ یہ اطلاع دی کہ۔

کپودر ماں بِگلیں دمب ءَ	ایک کبوتر مٹی کے بنے آشیاں میں نظر آتا ہے

ملا قاسمؒ نے اسی ذہانت اور شاعرانہ انداز میں (جسکی اُس سے بڑے بھائی کو توقع تھی) شعر میں استفسار کیا۔

کجام دیم ءَ بدئیں لمب ءَ؟	کدھر کو؟ کس سمت دیکھوں؟
	ملا فاضلؒ نے رہنمائی کی
دژ یگ وکاپرءِ لمب ءَ	دریچہ میں، برآمدے کی سیدھ میں

ملا فاضلؒ اس اثنا میں اُس پری رو کو دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے بات مکمل کی ہے۔

دو تیرے ششتہ پہ جنگ ءَ	دو تیروں سے مسلح آمادہ بجنگ ہے

ان اشعار میں نہ تو مہرک کا پرتو ملتا ہے نہ ہی عزت پنجگوری نظر آتے ہیں۔ یہ البتہ ممکن ہے کہ عزت پنجگوری ملا فاضلؒ اور ملا قاسمؒ رند کے ہمعصر ہوں اگرچہ اس ذیل میں بھی کوئی مستند شہادت اب تک نہیں مل سکی ہے۔ صورتحال خواہ کچھ ہو عزت کو کسی نہ کسی طرح یہ معلوم ہوگیا کہ سرباز (ایرانی بلوچستان) کے ایک قصبے بیردان میں ایک نہایت حسین وخوبرو دوشیزہ مہر خاتون ہے جس نے اپنے جمال سے شہرت پائی ہے۔ عزت پنجگوری مہر خاتون کا جسے وہ پیار سے مہرک کہتا ہے نادیدہ عاشق ہوا۔

سرباز (ایرانی بلوچستان) سراوان کے ضلع میں واقع ہے جو مکران کے قصر رند

اور راسک کے بعد قابل ذکر علاقہ ہے پیردان اس کا ایک قصبہ تھا آج کے جغرافیہ میں تلاش بسیار پر بھی یہ نام نظر نہیں آتا قیاس کہتا ہے کہ یہ شہراب کسی اور نام کا حامل ہوگا۔ پیردان پنجگور سے خاصی طویل مسافت پر ہے لیکن عشق تو وہ ہے کہ ''زپادرآ ورخیمہ شش جہات را'' عزت کسی طرح پنجگور سے پیردان پہنچا۔ وہ ایک تاجر کے بھیس میں آیا تا کہ مہرک سے ملنے کی سبیل نکل آئے مہرک پیردان کے متمول رئیس میر سامک کی اکلوتی بیٹی تھی اور بچپن ہی سے اپنے چچازاد بھائی سے منسوب تھی۔ عزت اور مہرک کو ایک نگاہ دیکھتے ہی مرمٹا اور مہرک کے رشتے کیلئے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا میر سامک نے پہلے تو اُسے نظر انداز کیا مگر جب عزت کے تقاضوں نے طول کھینچا تو اپنے لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد اُس نے عزت کا پیغام اس شرط پر قبول کیا کہ وہ جس قدر بھی مال وامتاع طلب کرے گا عزت کو فراہم کرنا ہوگا۔ کہتے ہیں میر سامک نے عزت سے دس جوانسال غلام اور کنیزیں، سو بھیڑیں، سات گائیں، پانچ ہزار روپے نقد، بہت سے جوڑے اور زیورات، شادی کا خرچ طلب کیا تھا جسے عزت نے قبول کیا تاہم عزت کے ساتھ اس قدر نقدی و اسباب موجود نہ تھا جس قدر تھا وہ اُسنے پیش کر دیا اور باقی کی فراہمی کیلئے مہلت حاصل کی تا کہ وہ اپنے علاقے سے جا کر لے آئے، میر سامک نے مناسب مہلت دی اور یقین دلایا کہ جونہی وہ مطلوبہ مال واموال فراہم کرے گا دلہن کی رخصتی عمل میں آجائیگی یہ یقین دہانی پا کر عزت پنجگور کی جانب لوٹ آیا اور جس قدر بار اسکے کندھوں پر ڈالا گیا تھا اُسکی فراہمی میں مصروف ہوگیا۔

داستان گو بیان کرتے ہیں کہ اسی اثنا میں کسی اور شہر سے ایک قافلہ پیردان

آ رہا تھا، مہرک اپنی سہیلیوں کے ساتھ ندی پر بال دھونے گئی ہوئی تھی۔ جب قافلہ بہت قریب آیا تو دوسری لڑکیاں چوکڑی بھرتی ہوئی ندی سے بھاگ گئیں مگر مہرک وہاں سے اسلئے نہ اُٹھ سکی کہ وہ اپنے بال دھونے میں مصروف تھی جب غیر مردوں کی آوازیں قریب سے سنائی دیں تو مہرک نے اپنے بال کھول کر چھوڑ دیئے جن کی وجہ سے پوری طرح ڈھک کر رہ گئی اور غیر مردوں کی نظر میں وہ بالوں کا ایک جھاڑ بنکر اوجھل ہوئی۔ اس قافلے میں ایک شخص نے جب یہ معلوم کیا کہ یہ ایک حسین وخوبرو دوشیزہ ہے تو غیر شعوری طور پر اُسکے منہ سے واہ نکلا اور اُس کی نظر مہرک کو کھا گئی۔ مہرک ندی سے لوٹتے ہی تیز بخار میں مبتلا ہوئی پھر اُسے چیچک نکل آئی۔ سر کے بال جھڑ کر رہ گئے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ مہرک کے والد کی نیت میں فتور آ گیا تھا وہ عزت کو دھوکا دیکر برباد کرنا چاہ رہا تھا۔ بات خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مہرک کئی ہفتوں تک بیمار رہ کر چل بسی اور میر سامک اُس کے غم میں دیوانہ ہو کر اُسکی قبر کا مجاور بن بیٹھا۔

عزت پنجگوری اس افتاد سے بے خبر میر سامک کی طلب کردہ مال و دولت جمع کئے ہوئے پیردان پہنچا۔ راستے ہی میں وہ قبر تھی جس میں اُسکی محبت دفن تھی اور میر سامک خاک واشک میں غلطاں لوح مزار سے لگ کر بیٹھا تھا یہ معلوم کر کے عزت پر گویا غم کا آسمان ٹوٹا۔ اُسنے اپنی وہ تمام مال ومتاع لٹادیں اور خود فقر و درویشی اختیار کی۔ عزت پنجگوری مہرک کا غم بھلانے کیلئے شہر شہر، قریہ قریہ گھوما اور مہرک کی یاد میں عشق کی تڑپ مجاز کی زینوں سے بلند کر کے اُسے عرفان کی منزل پر لائی۔

پنجگور میں ادب نواز احباب نے عزت اللہ کی یاد میں عزت اکیڈمی قائم کر رکھی ہے۔

ملا موسیٰ کی آواز میں عزت کا کچھ کلام

کلۂ کسانکیں پری	گھر کی نازک سی پری
شمس و قمرتئی دروری	سورج اور چاند کی تمثال
توصیف کناں اے جان من	میں تیری مدحت کرتا ہوں
بیا یک شپے مہمان من	کاش تو مجھے میزبانی کا شرف بخشے
من جان ودل قرباں کنم	میں جان ودل تجھ پر نثار کروں
جائے تو درچشماں کنم	اور تجھے اپنی آنکھوں میں بٹھالوں
دوشی کہ من وش واب اتاں[1]	شب رفتہ میں ہرچند کہ محو خواب تھا
وش واب دل آ گاہ ہے اتاں	مگر خواب میں بھی دل بیدار تھا
سگمہ منی جان و جگر	میری جان اور میرا جگر جل رہا ہے
دنیا بہ بی زیر و زبر	یہ دُنیا تہس نہس ہوجائے
گندیں کہ وابۂ من ترا	میں اس خواب کے دوران
لوٹاں دُنانی مہر گلۂ	اپنی مشکبومہر گل کا طالب ہوں
پاسانی پُلّے بو چناں	جی چاہتا ہے کہ پہروں اسکی خوشبو سے مخمور رہوں
برزُا پہ ہردودیدگاں	اُسے اُٹھا کر آنکھوں سے لگالوں
جہل پہ دلۂ بندجناں	پھر سینے سے لگا کر
جاں پہ گلۂ ندرکناں	خود کو اُس گل پر نثار کروں
جانیگۂ بے عیبیں مریگ	میری محبوبہ کا اچانک مرجانا

۱۔ یہ بند عزت کا نہیں، کیا وصدد کی داستان سے ہے سہوا شامل ہوا ہوگا۔ (مرتب)

گہت انت مناتاں محشرءَ زاناں کہ بُرتہ قادرءَ	مجھے یہ صدمہ محشر تک رہیگا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُسکی موت خدا کی طرف سے تھی
وردے درود اکبر سُہبءَ بناہ کنت	میں ہر صبح درود اکبر کا ورد کرتا ہوں
دل بلبلے کہ نالیت صد آہ؛ واہ کنت	میرا دل بلبل کی طرح مبتلائے نالہ و فغاں رہتا ہے
بعد ثنائے جبّار نعت رسولؐ کنت	خدائے جبار کی ستائش کے بعد نعت رسولؐ کرتا ہے
بر چہار یار سپارت وردِ زبان کنت	چہار یار پر سلام بھیجتا رہتا ہوں
دوازدہ امام سرور، یادش مدام کنت	میرا دل بارہ امام عالی مقام کی یاد میں محو رہتا ہے
من بندہ گناہگار سلطان رحم کنت	میں کہ اک بندہ عاصی ہوں شاید سلطان مجھ پر رحم کرے
دیدم کہ لیلیٰ اندام شمسءَ تہار کنت	میں نے دیکھا ہے کہ لیلیٰ اندام جو شمس کو بھی ماند کردے
سُہبیگ وبامءِ استارڈیلءَ جلا کنت	اور ستارہ صبح کے وجود کو بھی شرما ڈالے
سندیت بقال وبوہاں زلفاں شروک کنت	وہ خوشبوؤں سے اپنی زلفوں کو معطر کرنے والی
ہم مسک، عودوعنبر بیکاں ہور کنت	اور مشک، عود و عنبر سے بالوں کو سنوارنے والی

ابروئے ہردوعین انت دلبر چراغ کنت	اُس دلبر کے دونوں ابروؤں کے تحت آنکھوں کے چراغ ہیں
نشتگ مدام تختءِ دلبر قرار کنت	اُس محبوبہ کی نشست گاہ ہمیشہ تخت پر ہے
گوں گنگلاں گل اندام نوبت پرست کنت	وہ نازنیں کہ جو رشکِ خوباں ہے
شاہ گام ،رواجے کبگی کلءِ مدار کنت	شہگام اور کبک و سارکی چال والی
آسکی لطیف وگریباں بازارءِ ہند کنت	وہ اپنی لطیف خرامی اور اداؤں کو بازار ھند کے
سیم کارو سیم پوشی کافورچین جنت	جلوؤں سے اور پوشاک کو کافور چین سے مزین کرتی ہے
قال الذین کفر ومہرجاں کہیب کنت	یہ کفر کہلائے گا کہ مہرجان کی عشوہ گری کو
ان الذین آمنو مانند شپ کنت	ایمان والوں کے لئے امر غارت کہوں
ہردم کہ درم گوریں کاڑ خودرا آساز کنت	جب بھی وہ ہار سنگھار کر کے نکلتی ہے
چو بید ہی تاراں ازمن آناز کنت	آہوتار کی طرح مجھ سے رم خوردہ ہوتی ہے

من مست ومئے پرستم دلبر چہ کار کنت
زاناں کہ تنگدستم از من کنار کنت
گل رانصیب بلبل شاہ ءَ گوں شاہ کنت
اسمے کہ عین وزے انت تے ءَ ہوار کنت
ابن دولام وھے انت پنجگور مکاںکنت
پنچ تک ودہ تمن مے درد ءَ دوا کنت
عزت چو بلبل نیگ ءَ بالیت وآہ کنت
سوبنت پہ دست اللہ ہرچی خدا کنت
بیاات منی بیل ویلاں
زردوں حدیثے یات کنت

میں تو مست مئے پرست ہوں دلبر کو مجھ سے کیا غرض
تنگدست ہوں اسلئے مجھ سے دُور رہتی ہے
گل اگر بلبل کے نصیب میں ہو تو وہ شاہوں کی ہمسری نہ کرے
میرا نام[1] ع۔ز۔ے اور ت سے ملکر بنا ہے
میں دولام[2] اور ہ کا بیٹا ہوں جسکا مسکن پنجگور ہے
پانچ خانوادوں اور دس قبیلوں سے واسطہ ہے
عزت جو بلبل کی طرح آہ وفغاں کرتا ہے
اُسکی کامیابی اللہ کے ہاتھ ہے۔وہی سب کچھ کرسکتا ہے
آؤ میرے عزیز دوستو
میرا دل ایک قصہ بیان کرتا ہے

۱۔عزت ۲۔للہ

حاکءَ چہ نور پیداک کنت	خاک سے نور کا پیدا کرنے والا ہے
تنکہ من دیتگ ھتلی	میں نے جب سے گل اندام کو دیکھا ہے
بے صبر و بے آرام کنت	صبر و شکیب کھو بیٹھا ہوں
چو شمگیں پروانہ ہاں	جلے ہوئے پروانوں کی طرح
دل پلیٹیت ویات کنت	میرا دل تڑپ تڑپ کر اُسے ہی یاد کرتا ہے
اندوہ و خوفاں دل منی	غم واندوہ اور خوف سے میرا دل گھر چکا ہے
لال اوں غماں آزات کنت	اس سے وہی ہستی مجھے رہائی دلا سکتی ہے
مجنوں بے سرورمناں	میں ایک ایسا مجنوں ہوں جسکا کوئی سرپرست نہ ہو
مہرک وتا لیلےٰ ءَ کنت	جب کہ مہرک خود کو لیلیٰ بنائے ہوئے ہے
فرہاد سرگشتہ من آں	میں فرہاد سرگشتہ ہوں تو
مہرک وتا شرین کنت	مہرک خود کو شیرین سمجھتی ہے
من چو مُریدءَ عاجز آں	میں شہ مرید کی طرح عاجز محض ہوں
مہرک وتا حانی کنت	مہرک حانی بنی ہوئی ہے
عزت منال چو بُلبُلی	عزت بلبل کی طرح فغاں نہ کر (بلبل کی)
پہ نالگاں گل رحم کنت؟	نالہ وفغاں سے گل کو کب رحم آتا ہے

بے صبروآرامیں دلے
زانیں منارا خوارکنت
بے طاقتیں دردے منی
چوکودکاں پریات کنت
مہرخاتون گوں دستگہاران اَت
نشت ونیادے ماں حصاران انت
دیمے چونوک بجنیں سگاران اَت
روحے چوشمس خاوری آن انت

ڈیلے گوں کیچ کاریں زری آن انت

رَندے مہرک ءَ پیرداں بہ سچات
خلقے در رچات سیہ ڈنے تچات
ارماں ارماں پہ مہرخاتون ءَ
گوں نکپتوں پہ آئی یاسین ءَ

یہ دل جو صبروشکیبائی کھوچکا ہے
میں جانتاہوں مجھے ذلیل وخوارکردے گا
میرادردنا قابل برداشت ہے
دل بچوں کی طرح بلک بلک کر روتا ہے
مہرخاتون اپنی سنگھی سہیلیوں کے ساتھ تھی
وہ اونچے محلات میں متمکن تھی
اُسکا چہرہ تازہ صیقل کردہ شمشیر جیسا
اوراُسکی روح مشرق سے طلوع ہونے
والے شمس جیسی
اوراُسکی قامت کیچ کی زردوز پوشاک
میں ہوتی
مہرک کے بعداب پیرداں پر برق گرے
اسکی آبادی اسے چھوڑکرصحراؤں میں جابسے
افسوس صدافسوس مہر خاتون کیلئے
میں موجودنہ تھاکہ اُس پر یٰسین شریف
پڑھ کردم کرتا

گیت

مسقطءِ مہرک ،تئ نحبتاں گاراں

مسقط کی مہرک، تیری محبت میں بیگانہ ہوش ہوں

نے مناواب کہ۔من دلءَ داراں
مہرک مناکشہت زیادہیں نازاں

نیند نہیں آتی ۔نہ ہی دل کو قرار ملتا ہے
مجھے تو مہرک تمھاری اداؤں نے گھائل کردیا ہے

تئ صورتءِ زیبءَ ۔من گرفتاراں
من پاشی پاساں۔نشتگ وچاراں

تیری صورت زیبا نے گرفتار کر رکھا ہے
تب ہی میں راتوں کے پہر تیری راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھا ہوں

مشقطءِ مہرک تئ نحبتاں گاراں

مسقط کی مہرک تیری محبت میں بیگانہ ہوش ہوں

(۲)

نازنیاں مہرکءَ۔چنڈنیاں مہرکءَ

میں اُس مہرک کی تعریف کرتا ہوں
مہرک کو یاد کرتا ہوں

برز کلاتانی بانکءَ
مہرجاں گلئ برے۔نشتہ ماں جو
سرے نازنیاں مہرکءَ

جو اونچے محلات کی مالکن ہے
مہر جاں پھول کی کلی ہے۔ وہ نہر پر بیٹھی ہے میں اُسکی تعریف کرتا ہوں

سرءَ شودی صاف کنت دلِ مارا	وہ اپنے بال دھوکر صاف کررہی ہے
آپ کنت	میرادل خون ہورہا ہے
نازنیاں مہرک ءَ	میں اسکی تعریف کرتاہوں
وتی کلءَ درکپیت آسمی پلءَ	وہ اپنے گھر سے نکلی ہے گل یاسمین کی
سرپیت	کھلی ہوئی
نازنیاں مہرک ءَ	میں مہرک کی تعریف کرتاہوں

سَیمَک ونتھا

سیمک اور نتھا کی داستان دل و جان سے چاہنے والے ایک میاں بیوی کی داستان ہے۔ بی بی سیمک کا شوہر نتھا ایک قبائلی چپقلش میں کام آ جاتا ہے اور سیمک اُس کی یاد کو زندگی بھر حزر جاں بنا کر رکھتی ہے۔ اسمیں غیر معمولی بات یہ ہے کہ سیمک کو نتھا کی جدائی کا یہ غم شاعرہ بنا دیتا ہے۔ ہر چند کہ سیمک کا کلام سوائے ایک نظم کے دستیاب نہیں مگر اسکی یہ نظم بلوچی شاعری کا وہ مایہ ناز شاہکار ہے جو رہتی دُنیا تک سیمک اور نتھا کو زندہ جاوید بنا دیتا ہے۔

سیمک اور نتھا کی داستان کا تعلق بلوچستان کے مشرق میں واقع علاقہ مری کوہستان سے ہے۔ یوں تو پورا بلوچستان پسماندگی کے کوہ گراں کے نیچے دبا ہوا سسک رہا ہے مگر علاقہ مری کی پسماندگی کا اس سائنسی دور میں بھی عالم عجیب ہے نہ دشوار گزار پہاڑوں میں آمدورفت کا معقول انتظام ہے نہ تعلیم کی آسائشیں موجود ہیں۔ انسانوں کی زندگی کا انحصار جس پانی پر ہے وہ بھی میلوں دُور سے باردوش ہو کر آتا ہے آبادی منتشر ہے، ایک گدان[1] اس دامن کوہ میں تو دوسری کڑی[2] اُس پہاڑ کی چوٹی پر گزر اوقات چونکہ مالداری اور مویشی بانی پر ہے اسلئے یہاں کے باسی شہروں سے وحشت زدہ کوہساروں میں بکھرے ہوئے ہیں کوئی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتا۔ جہاں بارش کی دو بوندیں برسیں گھاس کے ایک پتے نے سر نکالا وہ اپنی بھیڑیں اور مویشی ہانکتا ہوا وہیں جا بسا۔ گنتی کے لوگ ہیں جو سرکاری ملازمت یا انتظامی نوعیت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے کوہلو، کھاہاں، کٹ منڈھائی وغیرہ میں سکونت پذیر ہیں۔ یہ آج کے ترقی یافتہ دور میں علاقہ مری کی

۱۔ گدان بکری یا بھیڑ کے بالوں کا خیمہ۔ ۲۔ چٹائی سے بنایا ہوا سائباں

حالت ہے۔ جس عہد سے بی بی سیمک اور نتھا کا تعلق تھا اُس دور کو تو یہاں کیلئے پتھر کا زمانہ کہنا ہی صحیح ہوگا۔ انگریزوں کو اپنی حکمرانی کی وجوہ سے یہ علاقہ ایک آنکھ نہیں بھایا، مری قبیلہ پر نجانے کتنی فوجی یلغاریں کیں بادیہ نشین مگر ازلی بہادر مریوں نے ہر مرتبہ انگریز کو نیچا دکھایا۔ یہ الگ باز گفتنی داستان ہے تحریک آزادی کے مؤرخ جب اس خطے کی تاریخ رقم کریں گے تو ایسے واقعات اپنے مقام پر آئیں گے یہاں صرف پسماندگی کا وہ پس منظر بیان کرنا مطلوب تھا جس میں بی بی سیمک اور نتھا کی لازوال محبت نے آنکھ کھولی اور شکر وقناعت کے ماحول میں پروان چڑھی۔ تعلیم کے فقدان کے باعث اس خرابے میں وقوع پذیر ہونے والے نجانے کتنے واقعات تاریخ کا حصہ نہ بن پائے بھلا کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایک مفلوک الحال جوڑے کی سرگزشت مرقوم ومحفوظ کرتا۔ یہ اور بات ہے کہ محبت کی طاقتور قوت نے خود بڑھ کر اس داستان کو زمین کے سینے پر نہ صرف رقم کیا بلکہ بی بی سیمک کے کہے گئے اشعار کو ایک خاص پہلو سے بلوچی ثقافت کا حصہ بناڈالا اس طرح بی بی سیمک اُس کا کلام اور اُس کا محبوب نتھا کوہساروں کی طرح امر ہوگئے۔ بی بی سیمک کی یہ نظم بنیادی طور پر ایک مرثیہ ہے۔

بی بی سیمک کے بارے میں کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ وہ علاقہ مری میں کس مقام پر بستی تھیں، کس خاندان سے تعلق تھا، کس گھرانے کی فرد تھی اور اُس کا محبوب شوہر نتھا کب ،کہاں، کیوں مارا گیا تھا؟ بس ایک حوالہ سا ملتا ہے کہ کوہ ماراں کے آس پاس مسکن ہوگا۔ کہڑی کا بھی ذکر ہے۔ نتھا کی موت سیمک کی جوانی میں واقع ہوئی، جوانی کیساتھ حسن و صحت بھی نصیب ہوئی تھی، پاس پڑوس کی حرافہ بوڑھیاں اُسے ترغیب دیتی ہونگی کہ دوسری شادی کرلے پہاڑ جیسی زندگی، زاہد فریب حسن وجوانی بنا سرپرست کے نہیں

گزرتی۔ مگر بی بی سیمک نے تمام سوالوں کا ایک جواب دیا۔

''ہم نے اپنا گریباں اس طرح رفو کرلیا ہے کہ
موت آ کر کھول سکتی یا پھر بہادر اور طرحدار تھا''

بی بی سیمک کی داستان کو بلوچی ثقافت نے ایک حصے کی طرح کیوں قبول کیا۔ اس بارے میں جناب میر شیر محمد مری نے دقت نظر سے تحقیق کی ہے ہم نہایت شکریہ کیساتھ اُن کی اس تحقیق کو یہاں درج کرتے ہیں بلاشبہ اس موضوع پر اُن کی کاوش وکاہش قدر کی نگاہ کے قابل ہے میر شیر محمد مری نے لکھا ہے۔

''مرثیہ[1] اور ماتم دونوں ہی غم، سوگ اور دکھ کا اظہار ہیں۔ تاہم ماضی کی بلوچ معاشرت میں ذہنی اور عملی اعتبار سے ان میں آسمان اور زمین کا فرق نظر آتا ہے۔ بہادر اور جیدار جوانوں نے بلوچی شاعری کے حوالے سے متعدد مقامات پر ایسی دُعائیں مانگی ہیں کہ ''اے خدا مجھے مرثیہ کی موت نصیب فرما اور بستر کی اُس موت سے بچا جو ماتم کا باعث بنتی ہے''۔ گویا مرثیہ کی موت وہ ہے جو جنگ وجدل کے دوران جاں بحق ہونے والے سورما کا حصہ بنتی ہے جبکہ ماتم اُس مرنے والے کیلئے ہوتا ہے جو بستر کی موت مرا اس لئے یہ کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ مرثیہ جنگوں میں ہلاک ہونے والوں کیلئے مروج رہا اور ماتم اپنی موت مرجانے والوں کا حصہ بنا۔ اسلئے کہ مرثیہ اور ماتم دونوں کا ادب سے تعلق بنتا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی تفصیلی وضاحت کریں گے۔ ویسے بھی اُن احباب کیلئے جو سماج، کلچر اور ثقافت کو کیا کیا نام دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اس کا سماج کلچر اور ثقافت اس قدر مکمل رہا ہے اور ہے بھی کہ موت بھی اسباب واقعات میں منقسم ہے۔

ا۔ بلوچی لفظ ''موتک'' کا اُردو نعم البدل یعنی مرثیہ۔

خوبصورت اور سجیلی داڑھیوں کے جوان جنہیں میدان جنگ میں آبدار تلواروں اور برستے تیروں کی باڑ چھلنی چھلنی کر دیتی تھیں اور خون میں تر بتر میتیں لا کر رکھی جاتیں۔ خواتین جمع ہو کر سیندور سے مانگ بھر کر اپنی اوڑھنیوں کے پلو ایک دوسرے سے باندھیں اور میت کے ارد گرد کونجوں کی طرح کرلاتی ہوئی مرثیہ کے بول پڑھتیں۔ یہ تھا مرثیہ، اور جب یہ خواتین میت کے گرد پھیرے لگاتیں، اس کا نام تھا گردش مرثیہ۔ خود ہم نے شاذ دیکھا ہوگا یا پھر بچپن کی مسرتوں میں ایسی حالت کو بھلا ڈالا ہوگا۔ خون سے لالہ گوں تر بتر میتیں بھی اور خواتین کا کونجوں کی طرح سے کرلانہ۔ تاہم ہماری ایک سن رسیدہ ماں کے عمر کی بوڑھی ایسی مل گئی تھی جو مرثیہ خوانی میں عورتوں کی سرخیل رہ چکی تھی۔ ہم نے پوچھا ''اماں مرثیہ کی صورتحال کیا تھی؟ ہمیں کچھ بتایئے۔'' ماں کی سالخوردہ پیشانی پر شکنیں ابھریں اور چہرے کی جھریاں اور گہری ہوگئیں۔ ہم نے سوچا ماں کو شاید یہ سوال ناگوار گزرا ہے وہ خفا ہوگئی ہیں مگر ماں نے ایک ٹھنڈی اور گہری آہ بھر کر کہا۔ ''ہاں بیٹے میں آپ کو مرثیہ کی کیفیت بتاتی ہوں''۔ یہ کیفیت کیا تھی بی بی سیمک کے اشعار کی بازگشت جس انداز سے اُس ماں نے یہ اشعار ادا کئے میں اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گیا۔ اسلئے کہ یہ کیفیت تو ساز زندگی کی ٹوٹتی تان تھی۔ میں نے اس تعلق میں آج تک جتنے نغمے سنے ہوں گے وہ سب کے سب فریب ثابت ہوئے۔ یہ ساز ایک ہی صدا میں انسانی زندگی کے رموز واسرار، تمدن، کلچر، تاریخ اور زمانے کو مجسم بنا رہا تھا۔ بول کے ساتھ کہیں کہیں ماں کا چہرہ اور اسکی جھریاں، نقوش اور خدوخال مدھم پڑ جاتے اور کہیں بہت ہی نمایاں ہوتے۔

بوڑھی ماں خاموش ہوئیں۔ مجھے یوں لگا جیسے ساز زندگی کے تار ایک جھنکار

سے ٹوٹ گئی ہیں۔ زندگی نے ہچکی لی۔ ماں کی آواز نے مجھے خوابوں کی دھند سے نکال ڈالا۔ ''بیٹے! یہ مرثیہ جو ترنم سے میں نے ابھی ادا کیا، معلوم ہے مجھ دُکھاری نے کب کہا تھا؟ یہ انگریزوں کے دور میں فتوحات کے دنوں کی بات ہے اُن دنوں کی جب آپ کے بہت سے اجداد جن میں میرا شوہر بھی شامل تھا شہادت کے مرتبہ کو پہنچے تھے یہ میری زندگی کا آخری مرثیہ تھا''۔ میں نے چاہا کہ ماں کے آنسوؤں کا میں بھی آنسو بہا کر ساتھ دوں مگر بزدلوں کیلئے رونا بھی معیوب ہے۔ میں نے پوچھا۔ ''ماں یہ اشعار ہیں کس کے؟ ''ماں نے کہا بیٹا قدیم زمانے سے سنتے آئے ہیں۔ کہا نہیں جا سکتا ہے کس نے موزوں کئے'' مگر آج مجھ پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ یہ اشعار اُسکی بہن بی بی سیمک کے ہیں آج وہ ماں زندہ نہیں کہ میں اُسے ان اشعار کی حقیقت بتا سکتا اسلئے کہ مرثیوں کے بہت سارے مجموعے اپنے ساتھ لیکر مرنے والی ماں کی میت پر کسی نے بھی مرثیہ نہیں پڑھا ہوگا۔

دوسرا طریق ماتم ہے۔ یہ اُن مرنے والوں کیلئے متعین ہے جو اپنی عمر طبعی پوری کر کے کسی بیماری وغیرہ سے مر جاتے ہیں۔ اسمیں بھی عورتیں روتی پیٹی ہیں۔ موت کو کوستی ہیں مگر صدر اول کی موت کے رتبے کی نہیں، (بحوالہ ''بلوچی کہنیں شاعری'' صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۶) اس پس منظر کیساتھ بی بی سیمک کے اشعار کی نہ صرف قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے جو اُسنے اپنے شوہر کی بہادرانہ موت مرنے پر کہے ہیں بلکہ اس سے سیمک کے اشعار میں سموئے ہوئے جذبات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور شاعرہ کی قوت تخیل کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

کلام

ژۂ مُزاں استینے سرۂ کشیت
برزیں چہ ماران ءِ کمیں کوہ ءَ
کبکر شئے نتھاءِ سرءِ پاغ ایں
جینبرتئ انبوئیں گُلاکاں
ترمپ تئ مورتیں جابہءِ تیراں

شف گروخ میان ءِ گھوریں تیغ ایں
گرند شئے نتھاءِ تُوپک ءِ گوانکیں
تانہی لوذان گوں شاہ عرضیں
لانڈوءِ شانک ءِ منیغ اوفرضیں
کہ آں شہیدانی زیارتاں مین ایں
یہ دے مونگاڑوکن اِت ترمپاں
شوازوادبوئیں جھیراں بل ایں
اژسمینانی گل گل وھلت آں

درکفیت سالونک دروشمیں نتھا
نندتئ ءَ ژۂ تنک دفیں گورءَ

دور بلندیوں پر دھندلی سی گھٹا اٹھی ہے
کوہ ماراں جیسی بلندیوں پر
ابریوں لگتا ہے کہ نتھا کی سفید پگڑی ہے
اور بوندوں کی دھارا اسکے مشکبو بال ہیں
اور یہ اکا دُکا بوندیں کہو تمھارے ترکش کے تیر ہیں
کڑکتی بجلی ہے یا تیری تیغ جوہر دار
رعد ہے یا یہ نتھا کی بندوق کی گونج
اٹھتے ہوئے بادلو! میری تم سے استدعا ہے
لانڈو کی کھائیوں کو جل تھل کرنا تمہارا فرض ہے
کہ وہ شہداء کی زیارتوں سے معمور ہیں
اور تھوڑی دیر کیلئے اے بوند و تند و تیز برسو
اپنی زباد بو دھاریں کھلی رکھو
(ہوسکتا ہے) بادلوں کی گھن گرج اور برکھا کے شور سے
دولہا جیسے سج دھج والا نتھا نکل آئے
جو تنگ و تاریک گور میں گھل کر رہ گیا ہے

شرنہ ئے براہندغ ہے گیگاں

میرے دوست تم وہاں اُس عالم میں بھلے نہیں لگتے

گپتے گورءِ کلرَ و ھیساں

گور کی نمی اور شور نے تمہیں دبوچ رکھا ہے

دنزت ماں ڈالشاہیں بروتان انت

تمہاری بڑی بڑی مونچھیں گرد میں اٹ چکی ہیں

ماں بروتان وبرنگلیں ریشاں

گرد تمہاری مونچھوں اور سجیلی داڑھی میں بس چکی ہے

چوٹوات دھنزیں انت زواد بوئیں

تمہارے مشکبو بال گرد سے اٹے ہوئے ہیں

شواکئی چم ءِ گرتیغیں ارس ات

تم کس کی اشکبار آنکھوں کے آنسو ہو؟

اے جواب داتہ تانہی نوادں

اٹھتے ہوئے بادلوں نے جواب میں کہا

سیمک ءِ منت ءَ ترا مینوں

ہم تجھے سیمک کی یادوں میں ڈبوتے ہیں

سیمک ءِ چم ءِ گرتیغیں ارس اوں

ہم سیمک کی آنکھ سے ٹپکے ہوئے آنسو ہیں

ماجنے ویراں گونغیں دیتہ

ہم نے ایک ویران اور حرمان نصیب عورت دیکھی ہے

پرتوے نتھاءِ گنوخ بیتہ

نتھا جو تمہارے لئے دیوانی ہوچکی ہے

رنگے چوآسانی پھراں بیتہ

اُس کا رنگ راکھ جیسا ہوکر رہ گیا ہے

بچک سینگھار انت وتی بوراں

نوجواں اپنی گھوڑیاں سجاتے ہیں

کارانت مئے کلانی سراتاشاں

اور ہماری ڈیوڑھی کے سامنے آکر انہیں دوڑاتے ہیں

پر مناکارانت شوتغیں زراں

وہ ہمیں چمکیلے روپے دکھاتے ہیں

رنگ خُلوانیں پلکیں ونگاں	سرخ حلوان کی طرح پکے ہوئے شکار کا گوشت لاتے ہیں
ھرگیں رانڈودی ناریفاں	حرافہ بوڑھیاں مجھے ترغیب دیتی رہتی ہیں
کہ دیروے ورنایاں گشین یکے	کہ گاؤں کے جوانوں سے کوئی ایک منتخب کرلے
دیروءِ ورناڈرست منی براتاں	جب کے گاؤں کے جوان سارے میرے بھائی ہیں
منی چنءَ نتھاماں مہمان انت	میں تو ایسا محسوس کرتی ہوں کہ نتھا کسی مہم پر گیا ہوا ہے
پرمنا کاریت چیٹ وچُنی آں	وہ میرے لئے طرح طرح کی پوشاک لیکر آئے گا
سرمنی چُنی آن نویت بازار	ہائے اب میرا سر کبھی دوپٹوں کی زینت نہیں بن پائے گا
پادوں لہڑی رنگلیں کوشاں	اور نہ میرے پیروں میں لہڑی کے رنگیں جوتے ہوں گے
(بلاں) چموں پہ سیاہیں سیرمغ ءَ بکاں	اب چاہے یہ آنکھیں سرمے کی سلائی کو ترسیں
ماوتی جیگ پہ نہمتے بستہ	ہم نے اپنا گریباں بڑی مشکل سے باندھا ہے
موت کیشیت یاسور ہیں نتھا	اب اسے موت کھولے یا پھر بہادر نتھا

شیرین ودوستین

موجودہ ضلع قلات کا ایک علاقہ ہے نرمک، جو ناگاہو پہاڑ کے دامن میں آباد ہے۔ یہاں اب تک رند بلوچوں کی ایک بڑی تعداد بستی ہے۔ شیرین اور دوستین کی داستان محبت اور بلوچ قوم کی شجاعت اب تک اس کے ذرے ذرے میں رچی بسی ہوئی ہے۔ داستان کس عہد کی ہے اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ قلات کے عظیم حکمران خان نصیر خان نوری کے درباری شاعر جام درک کی ایک نظم سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

دوستین ایک نام آور لاشاری گزرا ہے جو علاقے کی متمول شخصیت سحاک لاشاری کا بیٹا تھا۔ مشہور انگریز محقق مسٹر لانگ ورتھ ڈیمز کی تحقیق کہتی ہے۔ کہ دوستین لاشاری نہیں، رند قبیلہ سے تھا۔ تاہم جام درک کا بیان ہر اعتبار سے ڈیمز کی تحقیق سے معتبر ہے۔ دوستین کی منگنی خود اُسکے ایما پر اُس کے والد نے ایک اور سرکردہ رند میر لال خان کی بیٹی شرین سے ٹھہرائی تھی۔

بلوچوں کی مجلسی زندگی میں خواہ رند لاشاری ہوں یا دوسرے قبیلوں کے معزز و معتبر اشخاص انہیں میر، کہدہ، ملک وغیرہ القاب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ دوستین بھی اپنی سماجی حیثیت کے باعث ملک کہلاتے ہیں۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔

اللہ بیار ملک دوستین ءَ	اے اللہ! ملک دوستین کو ہم سے ملا دے
ست وسمئیں کوَلی ءَ	جو بہادر اور باوقار ہے
ایشی نہ ،ہما اولی ءَ	یہ دوسین نہیں ،وہ پہلے کا دوستین

دوستین اور شیرین کا مسکن ناگاہو پہاڑ کے دامن میں ناگاہو کے زرخیز میدان

میں تھا۔ قبیلے آسودہ حال، گزران میں اطمینان وطمانیت اورعلاقہ اپنی قدیم وعظیم روایات کا حامل تھا۔ آزادی قبائل کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ یہ قبیلے بھی آزاد تھے اور آزادی کی قدر و قیمت سے واقف بھی۔ کوئی کسی کا زیردست نہ تھا کوئی ان میں محتاج یا دوسرے درجے کا شہری نہیں کہلاتا تھا۔ اس آزاد اور پرسکون زندگی پر اچانک ایک افتاد پڑی جب غلبہ پسندی نے اسکی طرف مغل حملہ آوروں کی صورت میں قدم بڑھائے بلوچ ہمیشہ سے مادر وطن پر نثار ہوتے آئے ہیں وہ ایک بار پھر اپنی زمین کی دفاع اور ناموس کے تحفظ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے مغلوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جب کہ بلوچ اس علاقے میں معدود تعداد میں تھے۔ جان کی بازی لگی دوستین جوایک جری اور شجاع جوان تھا خوب داد شجاعت دیتا رہا۔ حملہ آروں کے قتل ومقاتلے کے بعد جولوگ بچ رہے مغلوں کی اسیر ہوکر ہرات کی جانب ہنکائے گئے۔ ان میں ملک دستین بھی شامل تھا۔ قندہار کے راستے یہ قیدی اصفہان اور پھر وہاں سے ہرات پہنچے دوستین یہاں ایک شخص کی تحویل میں چار سال تک رہا جس نے اُسے اپنے اصطبل کی دیکھ بھال پر مامور کر رکھا تھا دوستین نے اُس اور اُس نے دوستین سے یہ عہد لیا تھا کہ بغیر مالک کی رضامندی کے وہ اپنے علاقے کو چھپ کر نہیں جاسکیگا اور بلوچ تو عہد و پیمان پر جان دیتا ہی ہے۔

جب جنگ اور خون ریزی کی گرد بیٹھ گئی قبیلیت نے خود کو دوبارہ معاشرتی زندگی کیلئے مرتب کی تو میر لال خان کو اپنے داماد کے چھوٹ جانے کا احساس ہوا۔ جنگ کی قیدی کا لوٹ کر گھر آن معجزے سے کم تو نہ تھا مجبوراً! میر لال خان کو شیرین کا کہیں اور رشتہ کرنا پڑا۔ اتفاق سے اس جوان کا نام بھی دوستین تھا تبھی شیرین نے خدا سے دُعا کی تھی

کہ "اے خدا ملک دوستین کو ہم سے ملادے جو بہادر اور باوقار ہے۔ یہ دوستین نہیں، وہی دوستین پہلے جس سے ملے ہیں۔

شیرین کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور وہ ملک دوستین کیلئے تڑپ رہی تھی۔ اسی اثنا میں اُسے ایک تاجر ملا جو اپنا مال بیچ باچ کر ہرات کی طرف جا رہا تھا۔ شیرین نے ایک درد انگیز نظم موزوں کی اور اس تاجر کے ہاتھ ملک دوستین کے نام ہرات بھجوائی۔ جس میں اپنی شادی کی تیاری اور محبت کی بربادی کا مذکور تھا۔ ملک دوستین نے محبوبہ کے جواب میں کہلوا بھیجا۔

نوداں کہ گوزت گواراں ءَ
رتچیں زمک ءِ داماں ءَ
دوست ءَ مئے سلاماں سرکن
عہداں چو قرآن ءَ پہریز
وارث گوں دل، ایر گواتاں
کایاں و خداؤں کاریت
کایاں مس سوئیل[1] ءِ مُدّ ءَ
عنید ءِ بانگہ ءَ گرانیں ءَ

بادلو! جب تمہارا برستے ہوئے گزرہو
زرخیز زمک کی وادی میں
ہماری محبوبہ کو ہمارا سلام پہنچا دو
عہد و پیان کو قرآن کی طرح سینے سے لگائے رہو
دل کی دھڑکنوں میں بسائے رکھو
خدا نے چاہا تو میں ضرور آؤں گا
میں موسم سرما کے آغاز میں پہنچ جاؤں گا
(شاید) مبارک عید کی صبح ہی کو

۱۔ سوئیل۔ سُہیل۔ ایک روشن ستارہ ہے جو سردیوں کی آمد آمد پر شمالی افق پر نظر آتا ہے۔ بلوچی حساب سے اس ستارے کے طلوع کے بعد سردیوں کا آغاز ہو جاتا ہے چنانچہ زراعت باغبانی مالداری وغیرہ سے متعلق لوگ اس ستارے کے حساب سے فصلوں کا اہتمام اور کاشت کاری وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔

داستان طراز بیان کرتے ہیں کہ مغلوں کا کوئی تہوار تھا، جوان میدان میں گھڑ سواری کیلئے نکل آئے تھے دوستین کے مالک نے بھی دوستین کو بلا کر حکم دیا کہ اُسے گھڑی سواری کی ''اجازت'' ہے۔ دوستین نے دوبارہ اور سہہ بارہ تصدیق کرائی ''مجھے بھی جانے کی اجازت ہے۔'' مالک نے کہا'' ہاں اجازت ہے دوستین نے خود کو عہد و پیان سے بری الذمہ قرار دیکر گھوڑے کو ایڑ لگائی گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا ایک غُل مچا۔ ''لینا۔ پکڑنا۔ جانے نہ پائے۔'' کئی تیز رفتار گھوڑے تعاقب میں نکلے مگر ملک دوستین جیسے شہسوار کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ ملک دوستین کہیں رکے بغیر نرمک کی وادی میں پہنچ گیا۔ جہاں اُس کا گھر تھا۔ اُسکی حسین اور دل ربا منگیتر تھی، اُس کے اپنے لوگ تھے۔ ابھی وہ گاؤں سے کچھ دُور ہی تھا کہ اُس نے ایک کمسن چرواہے کو دیکھا جو زور زور سے رو رہا تھا۔ دوستین گھوڑے سے اُترا، چرواہے کے قریب گیا اور نہایت ہمدردی اور ملائمت سے پوچھا۔ بھئی کیوں رو رہے ہو؟ چرواہے نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھ مگر چار سال کے تغیر کے باعث پہچان نہ سکا اور جواب دیا۔ ''میرے بھائی کو عرصہ گزرا قیدی بنا کر لے گئے ہیں آج اُسکی منگیتر کی کسی اور سے شادی ہے مجھے اس کا دکھ ہے۔'' ملک دوستین نے اُسے تسلی دی اور پوچھا تیرے بھائی کا کیا نام ہے''۔

''دوستین''

دوستین نے اپنے چھوٹے بھائی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ ''اب مت رونا۔ خدا کرے گا تمہارا بھائی آ جائے گا''۔

اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لئے دوستین بستی میں داخل ہوا، اور اُس تقریب

میں شریک ہوا جو شیرین کی شادی کیلئے منعقد ہو چکی تھی۔ رندوں نے پوچھا ''تم کون ہو؟'' دوستین نے جواب دیا۔ ''میں ایک مراسی ہوں''

لوگوں نے پوچھا ضرور تمہیں گانا وغیرہ آتا ہوگا۔

دوستین نے جواب دیا۔ ضرور ساز لائیے میں گانا گاؤں گا۔

ساز وغیرہ لائے گئے دوستین نے وہی نظم گائی جو تاجر کے ذریعے شیرین نے دوستین کو ہرات بھجوائی تھی۔ دوستین کی آواز جب فضاء میں بلند ہوئی شیرین عجلہ عروسی میں اسے پہچان گئی اور کہا یہ گیت اور یہ آواز دوستین کی ہے۔ رندوں کو جب معلوم ہوا کہ بہادر دوستین قید سے رہا ہو کر آ گیا ہے تو نہایت خوش ہوئے۔ اس موقع پر شیرین سے بیاہ کرنے جو دوسرا دوستین دولہا بن کر آ گیا تھا عالی حوصلگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوستین سے لپٹ گیا اور کہنے لگا شادی کے موقع پر میں نے جو کچھ خرچ کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنے بھائی کیلئے نذرانہ دیا ہے۔ آپ کی دلہن آپکو مبارک ہو۔ شیرین اور دوستین جو محب و محبوب تھے ایک دوسرے کے بن گئے اور نرمک و جوہاں کے علاقے میں محبت کی انمٹ داستان چھوڑ گئے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

شیرین دوستین کے بارے میں جام درک کی نظم

دوستین

زنگی انت منی وڈیرو | زنگی (خان) میرا (معتبر) سرکردہ ہے

گہرام انت منی جام و بیل
واتکار شیہنیں شاہی ءِ
لڈو کیں کش ءِ ویلی ءِ
سوگند پہ تئی ریشان ءِ
نوکیں رنگیں مَسان ءِ
سیکیں گورگشیں سیاہ ءِ را
آپان ءِ نوارت ہنیگاں
کک و کرجلاں سندھیگاں
لوٹی باہراں دشتیگاں
ڈور ءِ پرکماریں آپاں
ستی و پھرِی گیاوان ءِ
واب ءِ کلرا ہے نیلنت
مارواڑی جواں زبریناں
مردے اچ خراسان آتکہ
لیگار چادر ءِ انبوئیں
بارے رودنانی گوں انت
ہرجُین میدہیں بھنگانی
سربار قندہاری مسک انت

جام گہرام میرا دوست ہے
وہ جو چیتے جیسی شاہانہ گھوڑی کا مالک ہے
میرے پہلو میں تیغ آبدار لٹکتی ہے
قسم ہے تیری نورستہ واڑھی کی
اور خط نورُستہ کی
میری گورگش کالی گھوڑی ماتم میں ہے
کھیت کے مینڈھ کا پانی نہیں پیتی
سندھ کا گھاس اور بھوسہ نہیں چرتی
دشت کا راتب اُسے مرغوب ہے
ندی کے خوش خرام پانی اور
اور پٹوک کے دہانے کی گھاس بھلی لگتی ہے
ہرچند کہ موٹے موٹے مچھر اُسے سونے نہیں دیتے
مارواڑی جوان کس قدر تنومند ہیں
خراسان سے ایک شخص آیا ہوا ہے
میلی کچیلی مگر مہکتی ہوئی چادر والا
رنگوں کے بار لئے ہوئے
پسے ہوئے بھنگ سے خورجین بھری ہوئی
ان پر قندھار کا مُشک مستزاد ہے

پیغام گون انتی رندانی
تحقیقیں سلام شیرینءِ
نوداں شنزتہ کو نارءَ
دشتءِ دامن ومنگوچر
سنی ءِ نگورانبوئیں
ڈورے پُرانت وامریزاں
لرزانت چوگونانی تاکاں

چوٹنت چوکمندءِ بوگاں
لڈے مانچتہ مالداراں
میشی وبزی وانتکاراں
میشداریں سحاکءِ بچاں
بھنبھار بستگاں بانکاں
سربارلڈتاں گواچیگاں
بھنءِ کنڈگ وناگاہو
کونڈاں پروشتگاں زردوآں
لوکاں گوں سرپیں قطاراں
کاڑاں گوں حماریں چماں

اُس شخص کے ساتھ رندوں کے نامہ و پیام ہیں
خصوصاً شیرین کا بھیجا ہوا سلام ہے
(وہ پیغام یوں ہے کہ) کونار میں گھٹائیں بری ہیں
دامن دشت اور منگوچر سیراب ہوئے ہیں
سنی کی زمینیں مہک رہی ہیں
ندیاں لبالب بھری ہوئی ہیں
ندیوں کی روانی میں پہاڑی پستہ کے درخت کی
لرزش ہے

گنے کی پور جیسی ٹیڑھی سیدھی بہہ رہی ہیں
مالداروں نے کوچ کی تیاریاں کی ہیں
بھیڑ بکریوں کے مالک چل کھڑے ہوئے
بھیڑوں کے مالک اسحاق کے بیٹے بھی
اونٹوں پر خواتین نے اسباب باندھ رکھا ہے
ساربانوں نے کچھ مزید لادھ لیا ہے
بھن کی چڑھائی اور ناگاہو پہاڑ پر
جوان اونٹ پیر جھکائے چڑھ رہے ہیں
باربرداری کے جوان اونٹوں کی قطاریں
جن پر غزال چشم حسینائیں بیٹھی ہیں

کلّ ءِ بانزریاں بندیت
سچکائیں تگردءَ نندیت
جُلّ ءِ پلوءَ لیٹین ایت
کشّی نقرہیں آدینکءَ
پُھلیں زانسرءَ ایرکنت
گندی اچ وت وگوناپ ءَ
انزری ءِ رچنت پہ درم آں
جیگ ءِ سرکشکءَ مین انت
بیائینت دزگہاریں جانی
شرّیں سومری چل وچار
بیاانت وگورے ایرنداں
شارپلوءَ لیٹین انت
پُرسنتے دل ءِ احوالاں
"پرچے گُنّل اِت کوردیم انت؟
سہرات ماں کمّ و نیلان انت؟
بیک ات بھبھوئیں دھتریں انت؟
چم اِت قدحیں ارسین انت

(یہ منزل پر) اترے ،خیمے بلند کئے
(ایک حسینہ) مہین ومنقش چٹائی پر بیٹھی ہے
وہ قالین کا ایک کونا اٹھا کر
نقری آئینہ نکال کر دیکھتی ہے
آئینہ اُسکی گداز گود میں رکھا ہوا ہے
وہ اپنے حُسن کو محویت سے دیکھتی ہے
آنسو بہہ کر اُسکے ہارکو بھگوتے ہیں
اُس کا گریباں آنسوؤں سے تر ہے
پیاری سکھی سہیلیاں آتی ہیں
منتخب حسین چوالیس عورتیں
آکر اُس حسینہ کے پاس بیٹھ جاتی ہیں
اُس کا گھونگھٹ اُٹھاتی ہیں
اور حال دل جاننا چاہتی ہیں
"کیوں تمہارے ملبوس میں جڑے شیشے ماند ہیں؟
کیوں تمہارے زیورات کٹھیالی میں پڑ کر رہ گئے
اور یہ زلفیں کیوں گرد سے اٹی ہوئی ہیں؟
یہ کٹورے جیسی آنکھیں کیوں آنسوؤں سے
لبریز ہیں؟

گریہیت وجناں تیلانک دنت
دیر بت او جناں جوانیناں
دیر بت اوجناں دیر نندت
بل ات کنل اوں کوردیم انت
سہروں ماں مک و نیلاں انت
بیکوں بھبویں دھنزین انت
آمڑ کہ منی دوست واہ ات
سہرانی میارۂ رکھ ات
دیئنۂ ہزگیں بدواہاں
ترکاں اڑ حریو ۱؎ گوازینتہ
گنجیں اصفہاں پاریتہ
چودیر پاندیں ہزندۂ شہرۂ
گنجیں اصفہانۂ لاپۂ
بختۂ میرجن نیگۂ کشتہ
دوستوں اصفہانۂ وارتہ
ڈنگ بنت جنگ رندانی

وہ روکر عورتوں کو ایک طرف دھکیل دیتی ہے
ہٹو اچھی بی بیو
اے بی بیوہٹ کر دُور ہو بیٹھو
تمہاری بلا سے اگر میرے ملبوس کے شیشے ماند ہیں
اگر میرے زیورات کٹھیائی میں پڑ کر رہ گئے ہیں
تمہاری بلا سے اگر یہ زلفیں گرد آلود ہیں
وہ شخص جو میرا دوست اور دلخواہ تھا
جو میرے زیورات کی عزت کا رکھوالا تھا
عیار دشمنوں کی نظر پڑی تو
ترکوں نے اُسے ہرات سے پرے پہنچادیا
وہ عظیم اصفہاں سے بھی پرے چلا گیا
بلکل اسطرح جیسے وہ ہزند کے دورافتادہ شہر میں ہو
عظیم اصفہان میں بس کر
اُسے میرے تقدیر نے مار ہی تو ڈالا ہے
میرے دوست کو اصفہان کھا گیا
رندوں کی عورتیں مل کر چہلیں کرتی ہوئی

۱۔ حریو ہرات افغانستان کا ایک صوبہ

ملائی پداشیپ بنت
کائنت کرگزی کرامانءَ
نیکیں نیتاں گوندانءَ
موراچ ۱ کرومگاں سندانءَ
پٹاں گواڑک وشہر پلاں
نیمءَ جمبویں جیگءَ جنت
نیمءَ گنل سر ہوشاں
نیم پہ سمبیں قولیءَ
یکے پہ منی نیتءَ
چنت وماں وتی مُشتءَ کنت
باپشت اچ بداں جوریناں
شیت گوں دزگہار جیڈیا آں
دستاں پہ خدا برز آرت
اللہ بیار ملک دوستینءَ
ست وسمبیں قولیءَ
ایشی نہ، ہما اولیءَ
بور پہ حملگاں شیرینءَ

سبزہ زاروں میں پھیل گئی ہیں
وہ کرگسوں کی طرح کرلاتی ہوئی
پاک نیت سے دُعائیں کررہی ہیں
خوشبودار مور کی بوٹی کے غنچے توڑ کر
لالہ اور گلاب کی جستجو میں ہیں
ان پھولوں سے کچھ وہ اپنے گریباں کی زینت کرینگی
کچھ سے گیسوؤں کو سجائیں گی
اور کچھ اپنے پیاروں کیلئے رکھیں گے
ان میں سے ایک شاید میرے لئے بھی ہے
وہ یہ پھول اسطرح راز داری سے توڑ کر مٹھی
میں رکھے ہوئے ہیں کہ بدخواہوں کو بھنک نہ پڑے
وہ حسینہ اپنی سہیلیوں سے مخاطب ہوکر کہتی ہے
خدا کے حضور میں دست دُعا بلند کرو
اللہ! ہم سے ملک دوستین کو ملادے
وہ جو ہمارا پیارا ہے
یہ نہیں، وہی سابقہ ملک دوستین
جو گھوڑا دوڑاتا ہوا آکر شیرین کو لے اڑے

۱۔ مُورَ: ایک خوشبودار بوٹی

بُروت داں منزلاں دیرین	اور ان دیکھی منزلوں پر لیجا کر پہنچائے
بیار ات ولجہءَ میرینءَ	(خدا سے دعا کرو) کہ وہ ہمارے اچھے آقا سے ملادے
میلی مردمءَ دیرینءَ	اُس سے ملادے جو دُور بہت دُور بستا ہے
نندونیادپت وماتانی	وہ اپنے باپ سے آ کر مل جائے
دیوان شکلیں براتانی	اپنے پیارے بھائیوں کی بزم میں آ ملے
روزی با۔ملک دوستینءَ	یہ سب کچھ ملک دوستین کا مقدر ہو
دیدارے مناروزی بات	اور اُس کا دیدار میرا نصیب ہو

شیرین کا پیغام

ویسے تو ہمارا کلاسیکی ادب ہر دور میں خود کو دُہراتا آیا ہے مگر دور حاضر میں مختلف علاقوں کے سہارے بلوچی ادب میں اُس کا ڈھل جانا عصری اسباب وعلل کا قدرتی تقاضہ ہے۔ جوں جوں احساسات میں شدت اور افکار میں تناؤ کی کارفرمائی ہوگی حانی شہہ مرید سسّی پنوں، حمل مہ گنج اور شیرین دوستین کے کردار استعاروں کو زبان دیتے رہیں گے۔ شیرین کے اُس پیغام نے جو اُسنے اصفہان جانے والے سوداگر کے ذریعے ملک دوستین کو بھیجا تھا۔ بلوچی زبان کے نامور سخن گو میر گل خان نصیر کو اِس قدر متاثر کیا کہ انہوں نے اس پورے واقعے کو ایک مرتبہ پھر بلوچی میں نظم کیا اور حق یہ ہے کہ اس آتش بجاں شاعر نے شیرین و دوستین کی داستان کو حیات نو عطا کر دی ہے۔ میر گل خان نصیر کا پر جوش لہجہ، وطن پرستی کے سچے جذبات، عظمت ماضی کی قدر نے ان کی اس تالیف کو شاہکار کا درجہ دیدیا ہے۔ اس منظوم داستان سے ایک نظم جو شیرین کے پیام کی مظہر ہے شکریہ کے ساتھ نقل کی جاتی ہے۔

شیرین کی حالت زار

دل زہیرانی ناوکاں ریش انت	دل فراق کے تیروں سے زخمی ہے
چموں چہ ہونانی شلاں کورانت	آنکھیں خونباری کرکے بینائی سے محروم ہیں
اج دلءِ تو شاں لنٹ منی خشک انت	دل کی شدید پیاس سے ہونٹوں پر پیڑیاں جمی ہیں
دیموں چو چیچارءِ گون زردانت	چہرہ چیچار کے گون کی طرح زرد ہے
ڈیلوں چو حسکیچ ءَ غماں گرئتگ	قامت حسکیچ کے کھجور کی طرح غموں سے گھل چکی ہے
نے شپاں واب و نے قرار روچ ءَ	نہ راتوں کی نیند ہے نہ دن کا چین
نے ورءُ ورداں حاطراں کشیت	کھانے پینے میں جی نہیں لگتا
نے گہارانی نندگ و نیاداں	بہنوں اور سہیلیوں کے پاس دل نہیں لگتا
چم منی راہءُ راہسراں سک انت	آنکھیں راہوں پر بھٹکتی رہتی ہیں
کدکدیں بیت کہ اج مُجاں درکیت	کب وہ وقت آئیگا جب دھند سے
گردوگولانی آترسیں تازی	ترک وتاز کرنے والا تازی مرکب نمودار ہوگا
مہلپیں پشتائی پہ کہیب نشتگ	اور اُسکی زین پر وقاروتمکنت سے
آملک دوتیں چندنیں ورنا	ملک دوتین جیسا حسین جوان متمکن نظر آئیگا
دتی گوں بورءِ سرولگیں واگءَ	مرکب کی باگ اُسکے ہاتھوں میں ہوگی
پادے ماں تاتیں دورواں رندی	پیر جھکتے ہوئے رکاب میں ہوگا
شاتک دنت دیر گنداں ہدوکنیاں	اور محبت سے دُور بین اٹھا کر مجھے تلاش کریگا

کیاّ وصدو

بلوچستان اونچے سنگلاخ پہاڑوں، وسیع وعریض وادیون اورطویل ساحلوں کی زمین ہے۔ان عوامل نے اسکی عظیم الشان ثقافت پر بھی اپنے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں چونکہ کہساروں وادیوں اور ساحلوں پر بود وباش رکھنے ولاے شہروں سے دُور بستے ہیں اُسلیئے اُن کے مزاج اُن کے خیلات اور جذبات میں ان بلند و بالا پہاڑو اور حسین وادیون صحراؤں اور ساحلوں کا میلان کسی نہ کسی عنوان سے موجود ہوتا ہے ان کا دل انہی شاداب وادیوں کی طرح وسیع ،ان کا سران کوہستانوں کی طرح بلند اوران کی معاشرت انہی ساحلوں کی طرح گہری، ہمہ جت وہمہ رنگ ہوا کرتی ہے۔اس ثقافت کا ایک پہلوتو ان عوامی داستانوں میں بہت ہی نمایاں ہے۔ یہ ہے مویشی بانی جو بلوچستان کے عظیم الشان کوہساروں کی عظمت اور وسیع وعریض وادیوں کا حُسن ہے۔ بلوچ عوام کی شاعری ہو یا زندگی کا کوئی اور پہلو وہ اس اعتبار سے قابل قدر ہے کہ وہ ان کوہساروں وادیوں ساحلوں اور صحراؤں کی سختیاں جھیلتے ہیں اوراپنی معاشرت کے ذریعے ملک کیلیئے بہترین وسائل مہیا کرتے ہیں اوراس پرفخر کرتے ہیں کہ ببرک رخشانی، ہرنائی ذات کی بھیڑیں ہوں یا بھاگ ناڑی کے بیل، خاران کے خچر ہوں یا مکران کے اونٹ انہی کوہستانوں کے پروردہ اورانہی صحراؤں کے رم خوردہ ہوتے ہیں اور ناچ کی وادی کوہ پب اور ناگاہو بلندیوں سے گھری ہوئی ایک ایسی ہی دلکشاوادی ہے جو خضدار ضلع میں ایک جانب مکران کی راہوں کے سنگم پر واقع ہے تو دوسری جانب بیلہ کے تمام راستے یہیں آ کر ملتے ہیں۔جس طرح یہ بہت سے علاقوں کو ملانے کی ایک منزل ہے اسی طرح مختلف قوموں

اور قبیلوں کے جھگڑے بھی یہیں پر ہوتے ہیں۔ ساربانوں کی للکار، چرواہوں کے نے کی تانیں، محنت کش ہاریوں کے گیت یہاں گونجتے ہیں اور کہساروں کی صدائے بازگشت میں ضم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جہاں گیت ہوں نغمے ہوں، کھیتوں کی مہک اور چراگاہوں کی لہک ہو وہاں محبت کے نغمہ سرمدی کا ابھرنا کچھ بھی تعجب خیز نہیں۔ چنانچہ یہ نغمہ سرمدی کیاؔ اور صدوؔ ا کی لازوال محبت کی روپ میں ابھرا اور اورناچ کی وادی کو پرتو محبت سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مخمور بنا گیا۔ ان کہساروں میں آج بھی کیاؔ اور صدو کی محبت کا یہ نغمہ ہر ایک زبان پر ہے آج بھی خاموش اور گم سم پہاڑوں میں کیاؔ کی تیز رفتار اونٹنی شلنگ'' کے گلے میں پڑے گھنٹیوں کی چھن چھن آوازیں گونجتی رہتی ہیں''۔

کیاؔ ایک متموّل مالدار ملک دوستین کا بیٹا تھا ان کا آبائی قصبہ ایرانی بلوچستان کا معروف مقام باہو تھا۔ باہو اپنے شہرہ آفاق مویشیوں خصوصاً اعلیٰ نسل کے اونٹوں کے لئے مشہور ہے ایک بلوچ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

سرباز گوں امب ونیوگاں | پاروت گوں حاتونیں جناں
پشین گوں زری تحتگاں | باہو گوں مستیں لیرواں

کیچی چناں ءِ مٹ نیاں

ترجمہ سرباز اپنے آم اور پھلوں کیلئے مشہور ہے۔ پاروت (پارود) اپنی باوقار حسینوں کیلئے پشین اپنی زردوزی میں شہرہ آفاق تو باہو اپنے مست اونٹوں کیلئے مشہور پاکستان میں شامل مکران کا محل وقوع ایسا ہے کہ ایرانی بلوچستان اور افغانی بلوچستان نہ

ا۔ پورا نام صدگنج ہے۔

صرف اس سے ملحق ہیں بلکہ بحری راستوں سے خلیج کے دوسرے علاقوں کے لوگ بھی مکران میں آمدروفت رکھتے ہیں۔ جب باہو میں خشک سالی رونما ہوئی تھی کیا خان اپنے ڈور ڈنگر، مواشی اور ریوڑ لیکر مکران کے مختلف علاقوں میں گزر بسر کرتا رہا اور جہاں جہاں چراگاہوں تک رسائی تھی بڑھتا آیا کیا خان جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں ملک دوستیں ہوت کا بیٹا تھا جبکہ صدو کا تعلق کلمتی خانوادے سے تھا صدو کا باپ سیاہو کلمتی اپنے علاقے کا سرکردہ اور مالدار شخص تھا۔ مکران کی وسطی اور شمال مغربی بستیوں میں خشک سالی کے باعث اور ناچ سے بیلہ تک کی پٹی میں مالدار اپنے مال مویشی لئے پھیلے ہوتے تھے کیا خان بھی اپنا ریوڑ ہانکتا ہوا اور کی چراہگاہ پہنچا۔ پہاڑوں وادیون میں ریوڑ چارتے چراتے کیا خان اور صدو کی کہیں مدبھیڑ ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دیکھتے ہی رہے۔ محبت کے دیوتا نے ایک ہی تیر سے دونوں کے دل شکار کر لئے۔ اب اُن کے ریوڑ ہر روز ایک ہی چراہگا مین چرنے لگے اور اُن یں باہمی قربت پیدا ہوئی۔ کیا خان نے صدو کے والدین سے رشتہ طلب کیا۔ چونکہ دونوں قبیلے مقتدر اور دونوں گھرانے آسودہ حال تھے۔ صدو کے والدین نے کیا خان کا رشتہ قبول کرلیا۔ دونوں کی منگنی ہوئی وقت گزرتا رہا۔ موسم بدلے، رُت بدلی، وقت نے انگڑائی لی اور برساتیں آئیں۔ علاقے آباد ہوئے۔ کیا خان اپنا ریوڑ لئے باہو لوٹ گیا اور صدو کے والدین سے شادی کی تفصیلات اور وقت وغیرہ طے کرلیا گیا۔ مگر قبائل زندگی نپے تلے حالات کی متحمل نہیں ہوا کرتی کسی وجہ سے کیا خان وقت مقررہ پر شادی کیلئے نہیں پہنچ سکا صدو کے والدین نے خاصا انتظار کیا اور مجبوراً اپنی بیٹی کا رشتہ کسی اور جگہ کرنا چاہا۔ صدو کو یہ گوارا نہ تھا وہ کیا

کو دل و جان سے چاہتی تھی والدین کے حکم کے سامنے بھی سرتابی کی مجال نہ تھی۔ روئی، تڑپی اور ایک نظم میں اپنے جذبات ظاہر کرتے ہوئے ایک کبوتر کو پیام بر بنا کر وہ نظم کیاؔ کو بھجوادی۔ وہ نظم ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

صدو کا پیام

دوشی کہ من وش واب اتاں
وش وابُ دل آگاہ اتاں
وابءَ بشارت بیت منا
پادا صدو سنگیں پریں
سنگیں پروگراں مہذبیں
پادا کہ کیاؔ اِنت یلیں
چموں چہ واب ءَ پچ کتنت
منی چم پہ ساہیگ ءَ کپتگ انت

زردوں پشیماں ہتگ اَت
تیتانلی مُرگ راگیں
توشتگ وچ ءِ کنے؟
توشتگے چینک چنے
چیکاں پلارانی چنے

شب گزشتہ جب میں محو خواب تھی
خواب میں دل بیدار کو بشارت ملی
وہ بشارت مجھے یہ دیگئی کہ
''اُٹھ! اے صدو نازوں پلی
نازوں پلی اور شان والی
اُٹھ دیکھ کیاؔ آگیا ہے
میں نیند سے مخمور آنکھیں لئے بیدار ہوئی
میری آنکھوں میں اندھیرے سائے رقصاں رہے

اور طبیعت افسردہ ہوگئی
اے طائر خوش رنگ و منقش
تو یہاں بیٹھا کر کیا کررہا ہے؟
دانہ دُنکا چن رہا ہے؟
گھاس میں پوشیدہ دانوں سے کیا گزر ہوگا

زمباں بہارانی گرے
تراتی براں سیر نہ بۓ
موری کسانیں دانگاں
مُرگ بیاترا چنکاں دیاں
چنیکاں مں شارءِ پلوءَ
آپاں من زریں قدحاں
درنگ جامئی کوبگ سرانت
ساہگ منی بھیک انت بزیں
. ہردیں کہ میل ات بیت روگ
تراملکے ءِ شوں دات ءَ دیاں
ملکے کہ نامے باہو انت
ماں باڑہ ءِ چیری کش انت
درچکے ئے مان اِنت یک بُنیں
کورے مان انت دیر سریں
بگے ءِ مان انت گردگیں

آپے ئے مان انت زمزمیں
مردے ئے مان انت پل گدیں

بہاروں کی عطا سے تجھے کیا ملے گا
چھوٹے چھوٹے بیجوں سے تجھے کیا حاصل ہوگا
یہ دانے تو چیونٹی کے سر سے بھی چھوٹے ہیں
آ طائر خوش رنگ میں تجھے دانے ڈالوں
اپنی اوڑھنی کے پلو میں چھپا کے کھلاؤں
چاندی جیسے چمکیلے برتنوں میں پانی پلاؤں
تیری نشت کیلئے میرا شانہ حاضر ہے
جس پر تجھے میری زلفیں سایہ کریں گی
اور جب تجھے پرواز کا شوق چرائے گا
میں تجھے ایک علاقے کا پتہ بتاؤں گی
وہ علاقہ باہو کے نام سے موسوم ہے
باڑہ نام کے گاؤں کے زیرین اطراف میں
اس میں ایک بہت بڑا پیڑ ہے
دُور سے بہہ کر آنے والی ایک ندی ہے
اُس علاقے میں اعلیٰ نسل کے اونٹوں کا گلہ
چرتا ہے
اُسکی ندی کا پانی زمزم کی طرح ہے
وہاں ایک گھبرو بستا ہے۔ جامہ زیب جوان

چہ پُل گداں پُل گدتریں
سرین جابہءِ بارگ کتہ
کوہگ چڑکیں اسپر ءَ
مرگ بیامنی دروتاں بہ بر
بولے پُل وبولے بلوچ
درست نشتگو دیوان بنت
کوکو کن وپاگے، بہ نند
گستائے چہ بیلاں ببر
وش وش ءَ ماں گوشائے بگو

پیگام صدوءِ آتکگنت
پیغام و وش نودیں سلام
پرچے شموشکارے تمام
کائے اور پیداک نہ بئے
سیرءِ گرانڈ پیربیتگاں
آرت ذُرشکیں کوگ کپتگاں
دارتیءِ رمیزاں گپتگاں

وہ دوسرے خوش پوشوں سے ممتاز ہے
اُسکی کمر ترکش کی کمر بند نے تپلی بنادی ہے
اُسکے شانے پر ڈھال ہے
اے طائر پیام بر میرا اُسے پیغام پہنچا دے
وہاں بہادروں ،سورما بلوچوں کا ہجوم تو ہوگا
وہ سب وہاں جمع ہوکر محفل برپا کئے ہونگے
تو چہکتا ہوا اُسکی دستار پر جاکر بیٹھ جانا
مگر وہ دستوں سے اُسے ذرا پرے لیجا کر
نہایت لطف ومرحمت سے اُسکے کان میں
سرگوشی کرنا

یہ صدو کا بھیجا ہوان سندیسہ ہے
ایک ایسا پیغام جو تمہیں خوش ومسرور کرے گا
کیوں ہمیں بلکل ہی بھلا دیا ہے؟
آنے کا وعدہ مگر آتے ہی نہیں بنتی
شادی کیلئے پلی ہوئی بھیڑیں بوری ہی بگئی ہیں
دعوت کیلئے پسے ہوئے آٹے میں کیڑے
نمودار ہوئے ہیں
اور لکڑیوں میں دیمک لگ چکا ہے

آچاپی ٹیں ٹینگ مرنگاں
بیاکہ تئی جاگہءَ دگہ مردگراں
دوست اِت کُتہ دوہتنت مرات

ماتئے سرءَ دردے گرات
نزمیں تپے شیموش کنات
تئی ہیسی سرءَ پرواہ مبات
تاوانءِ ملّئے گوں من انت

رقص کرنے والے رقاص مرکھپ چکے ہیں
جلدی سے آجاؤ تمہاری جگہ کوئی دوسرا لینے کو ہے
اگر تم نے وہاں محبت کی ہے تمہاری محبوبہ
مرجائے
اُسکی ماں کو درد سر لپیٹ لے
اُسے ہاکا سابخار آجائے
(تاہم) تمہاری جان ہر بلا سے محفوظ رہے
کہ اس کا نفع وضرر خود میرا ہی ہے

کِیاؔ کا جواب

کوکوکن او چاہی کپوت
چاہی کپوت کل گردنیں
جلدی منی حالاں ببر
(پہ)دُرّیں صدوءَ سرکن
بگاں ''شلینگ''[1] من لوٹگ

مورتیں کنر داں ءِ شم ءَ

اے چہکنے والے پالتو پرندے
اے کبوتر کہ تیری گردن گھوڑی جیسی بلند ہے
عجلت سے میری کیفیت لے کر جا
دُردانہ صدو تک جاکر پہنچا دے
گلّے سے میں نے ''شلنگ'' نامی اونٹنی
منگوائی ہے
جو کنرداں کی ہری بھری چراگہا میں تھی

ا۔ کیاؔ کی اُونٹنی کا نام۔

من نرمگے جوھکین تگ اُت
زری خیط من پرکتگ
سہلیں مہاروں چنڈتگ

ماں نکر ہیں گُمساں جنگ
مہپل جنُکاں بستگ اُت
من سربارے سبزءَ نشتگاں
چیل باہوءِ پشتی کتگ
آنکاڑوے رودءِ سرءَ
نالاں ہلوہالو گتہ
سرُمباں جنکی چھاپ جتہ

آنکاڑوءَ گونڈیں نگور
بورگوں شنُکانی سرءَ
مہدیءِ چپیں پسلوءَ
شدادگوں بے بومیں سرُءَ

اُسے میں نے نرم زمین پر بٹھایا
چاندی کی نکیل ناک میں ڈالی
پھولوں سے مزین مہار جھٹک کر نکیل
میں ڈالی
کئی ہجیرے ناک میں ڈالے
دوشیزاؤں نے محمل تیار کیا
اور میں سبزگوں اونٹنی پر بیٹھا
باہو کی کھاڑی سے گزر کر
آنکاڑو کی نہر کے دہانے پہنچا
اونٹنی کی قدموں سے نغمے پھوٹے
اُسکے پیروں سے دوشیزاؤں کی تالیاں
سنائی دیتی ہیں
آنکاڑو کا اور نگور کا قصبہ گزرا
بور اور شنُکانی کو پھلانگ آیا
مہدی (ایک جگہ) کی بائیں طرف ہوکر
شداد کی ناکارہ نشیب و فراز سے

ا۔شیلنک۔ بیاّ کی اونٹنی کا نام

کارواڑ گوں دیر کشیں رڑءِ
ملک سیلاہانی کھپرءِ
کئنی ءِ چپیں نیمگ ءَ
گزآئی ءِ سبزیں کہیر
تو سبزے وسیہ تاک نے
تو چونئی ءَ ایوک ءِ
زرّین وگنجیں پسنی
واب ءَ رگوستگ دل منی
وختے کہ بُست بوتگ منا
بل[1] گوں مزن لمبیں چشاں
وائے بسوؔل گوں تسک ءَ
پرہادءِ لک ءِ کنڈگ ءَ
گزاں دماموہترءِ

من پنہانی رپتگاں
واب ءَ صدوواں پادکتہ
"کیاّئے بد قول کہ توئے

کارواڑ کی طویل مسافت طے کی
سیروسیاحت کیلئے کھپر مشہور ہے
کئنی کے بائیں کنارے سے ہوکر آیا
گزآئی کا ہرابھرا کہیر تو ہمیشہ ہرا ہے
کبھی بھی تیرے پتے سیاہی مائل نہ ہوئے
تو بھی میری طرح تنہا ہے
زرّیں اور پسنی کا گنجان علاقہ آیا
مجھے او نگھ سی آگئی
آنکھیں کھلیں تو
بل کی لمبی ٹہنی والے چھتناروں تک پہنچا تھا
ہائے بسوؔل کی وہ دھیمی ہوا کی سرگوشیاں
فرہاؔد کے مقام کی بلندیوں پر
اُس محترم (اپنے رقیب) کی شادی کے
شادیانے کانوں میں پڑے
میں چھپتے چھپاتے جاپہنچا
صدو کو گہری نیند سے جگایا
"اے کیاّ کیسے بد قول ہو تم

ا۔ بل سے مراد ہے میر حسل کلمتی کا بسایا ہوا قدیم قصبہ گزداں بل۔

صدو کا تحیّر

گوں ناگمانیں اٹک ءَ
آنکترا میل ات اگر
تو وت مناپیش ڈاہ کتیں
من میمنے ءِ را لوٹتت

سی زرّ ءِ سوداؤں .کتت''

''تیلاں قبول ءِ تومنا''

اچانک آدھمکے ہو
آنے سے پہلے مجھے باخبر کیا ہوتا
ذرا پیشگی خبر ہوئی ہوتی تو
میں کسی میمن (مراد ہندو دکاندار)
کے پاس جاکر
تیس روپے خرچ کر کے کچھ خرید
وفروخت کرتی''
''نہیں۔تم مجھے بناؤ سینگھار کے
بغیر قبول ہو''

کِیاّ کا جواب

سربار سبز ءَ نشتگاں
آدشمناں رہ بستگاں
پرہادءِ لکّ ءِ کنڈگ ءَ
من چابکے زورءَ جتہ

لگت ''شلینگ'' گوں لڈگاں
پیشی خیال وترانگاں

میں اُسے اپنی سبز گوں اونٹنی پر بٹھایا
دشمنوں نے راستے روک رکھے تھے
فرہاد کے مقام کی چڑھائی پر
میں نے اونٹنی پر ایک زوردار
چابک رسید کیا
''شلینگ'' مچلنے لگی
اور عہد رفتہ کی آسے یاد ائی

باہو داں گنجیں بیلوءَ	(اسلئے کہ) باہو سے گنجاں آباد بیلہ تک
منی شُول ءِ دو کشیں منزل انت	میرے تیز رفتار مرکب کی دوطرفہ منزل ہے

اس نظم میں محب اور محبوب دونوں کی جذبات نہایت واضح نظر آتے ہیں اس پر مزید کسی تبصرے کی ضرورت نہیں غالباً اس نظم یا ایسی ہی نظموں کا یہ کارنامہ ہے کہ بلوچستان کے عظیم الشان کہساروں میں کیا اور صدو جیسے پیار کرنے والوں کی داستانیں ہمیشہ کیلئے زندہ جاوید ہیں۔

بالاچ گورگیژ

بالاچ حسن گورگیژ کی داستان، عشق ومحبت کی داستان نہیں۔ مگر ہماری کاوش صرف عشقیہ داستانوں کو جمع کرنا نہیں۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ بلوچ معاشرت کے اُن تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے جو مختلف اوصاف کی مظہر ہیں۔ بالاچ کی داستان اک، حوصلہ مندی، جفاکشی، پناہ جو کیلئے جان بازی، انتقام جوئی کے ہمقرین محبت کی ایک دوسری جہت سے مملو ہے۔ یہ بھائی کیلئے بھائی کے دل میں فنا نہ ہوئے والی محبت کی داستان ہے اسکی دیگر خصوصیات اپنی جگہ اسکی آفاقیت دلوں کو مسخر کرتی ہے۔ غیرت، جوش، معاشرت کی حقیقی تصویر ہونے کی بناپر یہ بلوچستان کے مشرقی مغربی حصوں، سندھ، ڈیرہ جات میں یکساں مقبول ومنظور ہے۔

خلاصہ

بالاچ، حسن گورگیژ کے دو بیٹے تھے۔ گورگیژ اور پژ قبیلے پاس پاس رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اُن میں قبائلی چشمک اور خصومتیں بھی رہا کرتی تھیں۔ اور ابھی تک مختلف قبائل اس آزار سے آزاد نہیں ہو سکے ہیں قبیلے جب معاشی اعتبار سے اسودہ حال ہوں تب اُن کی توجہ باہمی رقابتوں کو جگانے پر مرکوز رہتی ہے وہ نئے فیوں کو جاگتے اور حیلوں بہانوں سے ایک دوسرے پر ترک وتاز لانے کی فکر کرتے ہیں چنانچہ پژ اور گورگیش قبیلوں میں بھی باہم ان بن رہی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس مزاج نے ابد سے آج تک بلوچ قومی قوت کو مستحکم نہیں ہونے دیا ہے۔ چاکر اور گہرام ہوں یا حمل وچاکر کولوہاری۔ سردار آزاد خان

اور خان خداداد خان ہوں کہ اور متقبال قوتین باہمی جدال وقتال ہی نے انہیں کمزور کر دیا اور بیرونی دشمنوں کو اس سے شہ ملتی رہی۔ بالاچ کی داستان بھی ان عوامل کے تابع سہی مگر اسکی اپنی چند امتیازی خوبیاں ہیں جن کا اپنے موقع ومحل پر ذکر ہوگا۔

حسن گورگیژ کی وفات کے بعد حسن کا بڑا بیٹا دودا گورگیژ قبیلے کا سربراہ ہوا۔ ان دنوں بالاچ کمسن سا ایک لڑکا تھا۔ دودا بھی ایل بہادر، دلیر اور تلوار کا دھنی شخص تھا۔ ابھی دودا کی نئی نئی شادی ہوئی تھی وہ حجلہ عروسی تھا کہ اُسے بتایا گیا کہ سمی نام کی ایک مال دار خاتون جو دودا کی پناہ میں تھی اُسکے گایون کا گلہ پڑوس میں بسے والے پُڑ قبیلہ کے میر برگ اس اسکے حمایتی ہانک کر لے گئے ہیں۔ دودا اپنی پناہ میں بسنے والی ایک کمزور عورت ہے اس اہانت آمیز برتاؤ کو کسی بھی طرح قبول نہیں کرسکتا تھا وہ اپنی ماں کی ترکیب پر حجلہ عروسی سے نکلا اور گھوڑی ہنکا کر کے لیجانے والوں کے تعاقب میں روانہ ہوا اس نظم میں اسی واقعہ کی تفصیل ہے۔

دودا کی ہمت

حالے آرتگ ات گوہال ءَ
یک روچے انا گاہی ءَ
گوہال ءَ پہ ماگورگیژاں
گورگیژ پوتراں کمسیناں
گوکاں نیک زنیں سمّی ءِ
ناحق ءَ چداں رمبینت انت

گوالہ یہ خبر لئے ہوئے آیا ہے
ایک دن اچانک ہی کہ
گوالہ گورگیژوں کو یہ بتانے کہ
گورگیژ کے بے پروا اور بے نیاز بیٹو
نیک زن سمّی کے ڈھور ڈنگر ناجائز طور پر
ہانک کرلے گئے ہیں

میلا ءِ کنڈگ ءَ چرینتت
گرم آپ ءِ دپ ءَ گواز ینت انت
پڑآں لہ جنگ سر زوری
سرروت انت بُروت اِنت توری
ورنایاں دل و جانیناں
جنگ ءَ جہ جنگ پرگواتی
ورنا گوں سیلہاں رتکنت

میان ءِ زرہ شپیں کاٹاراں
پیچش داتگ انت کھیڑی آں
بوری دور واں بُرزبیتت
لانکش محکمی ءَ بست انت
ورنا درشتنت سرکوری
دودا وپتگ و واب بیتہ
اوداں ماں دَڑی ءِ کوٹ ءَ
سیر ءِ منہہ سارتین ءَ
گوں لال ءَ مراد بخشین ءَ
بوءُ گوں دھناں وشیناں

درہ مُولا کے دہانے سے ہوتے ہوئے
گرم آپ لے جائے گئے ہیں
پڑ قوم سینہ زوری پر اُتر آئی ہے
وہ خواہاں ہے کہ جان جائے تو جائے
اُن کے سجیلے نوجوانوں نے
غروہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ کی تیاری کی ہے
یہاں بھی (گورگیژ کے) جوانوں نے
ہتھیار سنبھال لئے

خنجر میان سے نکال کر چمکائے
خنجر کمر میں اُڑس کر
وہ دوڑتے ہوئے گھوڑوں پر متمکن ہوئے
جوانوں نے کمر کس لی
اور جوان ندی کے بالائی رُخ کو چل دیئے
دودا بستر راحت پر محو خواب تھا
وہ حجلہ عروسی میں فروکش تھا
شادی کے معطر اور منقش حجلہ میں
اپنی آرزوؤں کی جنت کے پہلو میں
اس معطر و خوشگوار فضاء سے

مات ءَ پادکتگ لالین ءَ	ماں نے آواز دیکر نیند سے جگایا
وسی ءَ زباد مالین ءَ	اُسکی ساس بھی اُسے باخبر کرنے آئی
دُزکیچ ءَ قرآں وانین ءَ	قرآن خواں سالی بھی آموجود ہوئی
دوست ءَ پہ دلے تنگی گین	محبوبہ نے آزردہ خاطرہ ہوکر (جگایا)
دودا کنگرے جنگی گین	اسلئے کہ دودا ایک جنگجو سپاہی ہے
گوشتگ مہربانیں مات ءَ	مہربان ماں نے نصیحت کرتے ہوئے کہا
آکس کہ گراں باہوٹاں	جو لوگ پناہ جو رُکھتے ہیں
نیم روشی نریچت واب ءَ	وہ دوپہر کو قیلولہ نہیں کرتے
چست بیتگ گما الکا پ ءَ	دودا بھی اسی شان سے اُٹھا
واب ءَ جہ جنگ لاڑی ءَ[1]	نیند سے بیدار ہوتے ہی نازپرور نے
ٹیہاں سنج کنے مہری ءَ	خادم کو حکم دیا۔ میری سواری تیار کرو
اولاک ءَ منی جوانین ءَ	میرا بہترین مرکب لاؤ
سہرُنگ ءَ سکبگامین ءَ	سرخند گھوڑا جو سبک گام ہے
دودا ءَ ہمے عذر کپتگ	دودا نے (گھوڑے سے) یہی فرمائش کی
سہرُنگ تو مناگوں گیجے	سرخندہ تو مجھے وہاں تک پہنچائے گا
گرم آپ ءِ دَپ ءَ گوں گوکاں	گرم آپ میں جہاں (سمی کی) گائیں
	لیجائی گئی ہیں

۱۔ مہری اونٹنی کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن دودا کا سہرنگ بلاشبہ گھوڑا ہے تفصیل آگے آئے گی (مترجم)

سُہی گوں دلیریں بیلاں

گوکان ءَ پدا تریناں
میلاکنڈگ ءَ چرینناں
کلانی دپ ءَ گوازیناں
تیمارت حلال بنت بکشاں
بانگی سرءِ سارتیں آف

لیٹوماں جہازی سرکاں
دان ماں تیرگ ءَ لالین ءَ
مہلبخ گوں بزرگی دستاں
حِنّی رنگلیں گل بوگاں
یک یک ءَ جوش گیشینت انت
واتنت پہ دلے راضی ئیں
سُہرنگ تو بُور و پزوربی
روچے ءَ مناکار کائے
سیالی شدّت و شاروئے
ایداں جہ جنگ سرمست ءَ
زہمے گوں کمان ءَ دست ءَ

اور اُن ساتھیوں کی پاس جو صبح دم تعاقب میں نکلے

میں یہ گائیں لوٹا کرلاؤں
مؤلا کی بلندی سے انہیں گزار لاؤں
گاؤں کے گھروں کے سامنے سے گزاروں
تب تیرا راتب اور بہتر نگہداشت تجھ پر حلال ہے
تیری مالکن جو سر پر گھاگر رکھ کر ٹھنڈا پانی تیرے لئے لاتی
اور بڑے بڑے ناند بھر کر تجھے چارہ کھلاتی
تو برے دانوں کے بھر کر تجھے
میری محبوبہ اپنے پیارے ہاتھوں سے کھلاتی رہی
مہندی رچی ہوئی ہتھلیوں سے، ہر انگلی سے
ایک ایک دانہ صاف کر کے تجھے کھلاتی
اس خوشدلی کیساتھ کہ تو سرخند
خوب کھا کر جان بنائے
کسی دن تو میرے کام آئے گا
خصوصاً ہم چشموں سے معرکہ آرائی کے موقع پر
اس طرح وہ سرمست (دودا) روانہ ہوا
کہ تلوار اور کمان ہاتھ میں لئے ہوئے تھا

دودا کا بُرا شگون لینا

دودا گورگیژ اپنے دشمنوں کے تعاقب میں گھوڑی دوڑاتا ہوا جا رہا تھا ایک گاؤں کے قریب سے گزرا تو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے دودا نے بُرا شگون لیا۔ بلوچوں میں کچھ توہمات راسخ ہو چکے ہیں مثلاً جاتے ہوئے شخص کو پیچھے سے آواز لگا کر روکنا۔ کوّے کی کائیں کائیں۔ پگڑی یا ہتھیار کا ہاتھ سے گر جانا وغیرہ۔ دودا جب اس گاؤں سے گزرا راستے میں ایک عورت سے مد بھیڑ ہوئی سُرخ لباس پہنے ہوئے اس عورت نے دودا سے پکار کر کہا۔ ''دودا تم کہاں دوڑے جا رہے ہو؟ ٹھہرو، رُک جاؤ تا کہ دوسرے جوان بھی تم سے آملیں''۔ دودا نے اس سے بُرا شگون لیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ وہ زندہ لوٹ کر نہیں آئے گا اُس نے گھوڑی کی باگ کھینچ لی اور فی البدیہہ کہا۔ دونوں کے مکالمات شاعر نے نظم کئے۔

اجنبی عورت

سُہر پشکی جنے پاد آتکہ
شارءِ دامنءَ بیڑانءَ
نوک موریں گوراں دارانءَ
دودا تو روئے تاچانءَ
تاھر پہ۔ پدی ورناہاں
لوگانی گہیں مرد بیائت

سرخ لباس میں ایک عورت سامنے سے نمودار ہوئی
اپنے دوپٹے کا آنچل سمیٹتی ہوئی
اپنے سینہ کو چادر سے چھپاتی ہوئی بولی
''دودا! تم کیوں تیز دوڑے جا رہے ہو؟
رُک جاؤ۔ تا کہ بعد میں آنے والے جوان آملیں
گھروں سے مردانگی کے مظہر آ کر شامل ہوں

دودا

ارمان پہ ترا با گاڑ چم
زند راجتے چانپو لے
اچ ماآں گہیں مردتھام انت
کہ جکاں پہ پدی ورنا ہاں
ہالوئے جتہ ورناہاں
ماتءِ سیر طماہیں بچ ءَ
ورناہاں دوجہ رہ بستہ
دریگگ بیتگ انت سہرنگ ءِ
رتگگ رودن ورنگیں تیر
ورنایاں جتہ پہناتی
دوداچ کرُنگ ءِ زین ءَ
کپتہ ماں پڑءَ شہی گُمیں
لیٹت ماں شہیدی ہوناں
اودگوں عومرءَ جامین ءَ
گوشتہ مہربانیں مات ءَ
نازیناں منی بچ ءَ را
بچ اوں اچ دوءَ یکے کنت

(دودا کہنے لگا) افسوس چھپکلی جیسی آنکھوں والی
تو نے میری زندگی کو ایک زوردار چانٹا رسید کیا
ہم سے اور منتخب مرد کون ہونگے جنکا انتظار کیا جائے
کون ہیں وہ جوان جن کیلئے منزل کھوٹی کیجائے
(رزم گاہ میں پہنچ کر) جوانوں نے ایک نعرہ بلند کیا
زندگی سے بے نیاز بیٹوں نے
(دشمنوں نے) دو مقامات پر راستہ روک رکھا تھا
سرخند کے کُھر شعلے اگلتے رہے
تانبے کے خون رنگ تیر برسنے لگے
دشمنوں نے دائیں بائیں گھیر لیا
اور دودا گھوڑے کی زین سے نیچے آرہے
ایک جھلتے ہوئے میدان میں گر کر
شہیدانہ خاک وخون میں نہا گیا
اُسکے ساتھ جام عمر بھی کھیت رہا
(یہاں) مہربان ماں فخر یہ کہہ رہی تھی
میں اپنے بیٹے پر نازاں ہوں
میرا بیٹا دو میں سے ایک کام ضرور کرے گا

ہسی چوٹو آں زیاں داریت	یا اپنی جان شیرین نذر کردے گا یا پھر (کسی کے) ڈھور ڈنگر لوٹا کر لائے گا

دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی دودا جوش میں پوری تیاری کر کے نہیں آیا تھا۔ مسلح بھی تھے زیادہ بھی تھے دودا اور اُسکے ساتھی بے جگری سے حق کیلئے لڑے اور اپنی جانیں بلوچی شان کیساتھ نذر کیں۔ بالاچ اِن دنوں ایک کمسن لڑکا تھا۔ وہ اپنے بھائی دودا کے ہمراہ جانے کی ضد کرنے لگا تھا۔ دودا نے اُسے جھڑک کر لوٹا دیا تھا مگر اُس نے ایک جملہ ایسا بھی کہا جو بالاچ کی آئندہ زندگی کا لائحہ عمل بنکر رہ گیا۔ دودا نے کہا تھا۔

"ترو برولوگ ءَ پدا	لوٹ کر گھر جاؤ
ہون ءِ گڈاں جست ءَ بکن"	میرے بعد میرے خون کا بدلہ لینا

دودا کی موت گورگیز گھرانے پر قیامت بن کر لوٹی۔ جوان، سمی کے گایوں کے گلے کو دشمنوں سے چھڑانے میں کھیت رہے۔ بوڑھے رہ گئے، عورتیں رہ گئیں یا کمسن لڑکے بالے بالاچ اُن میں سے ایک تھا جسے بھائی کی موت اور خاندان کی بربادی کے احساس نے بہت زیادہ دُکھی اور مضطرب بنا دیا تھا۔ وہ ان تمام واقعات کو جو اُس پر دودا کی موت کے بعد گزرے بے کم وکاست بیان کرتا ہے۔ ان حالات میں مظلومیت کی خون رلانی والی تصویر ہے۔ بچوں کا بسورنا، عورتوں کا بلک بلک کر رونا۔ گھوڑوں کا تھان پر غم کی تصویر بنے کھڑے رہنا۔ گھر اور خاندان کا کوئی کفیل نہ ہونا۔

بالاچ کی مظلومیت

آ روچ کسانی بیتگاں	اُن دنوں میں کمسن سا لڑکا ہی تو تھا

تئی مَل ءِ پدا گوں کپتگاں
تو چک جتہ گوشتہ منا
ترو برولوگ ءَ پدا
ہون ءِ گڈاں جست ءَ بکن
من زہر کنی ءَ گڑ تگاں
لوگ ءَ وتی ءَ ترپتگاں
پہ باگچیں سندھ ءَ شتاں
اردو گوں شہبازؒ ءَ کتاں
ھلک ءِ شنک چاریتگاں
چیلک منی تاب داتگیں
چپی و راستی بریستگاں
تاں ہژدہی سال ءِ سرءَ
سوال منا تخی ءَ داتگاں
ماؤ نقیب جاں بیتگاں
تیرو کمانیں زرتگاں
ماں دشمناں اریکپتگاں
بیستوں گوں شیرازی لڑءَ
بیست گوں مزن ٹپ ءِ رہ ءَ

تمہارے گھوڑے کے پیچھے دوڑتا ہوا چلا
تو نے رک کر میری طرف دیکھا اور کہا تھا
لوٹ کر گھر جاؤ
میرے بعد میرے خون کا بدلہ لینا
میں غم و غصّے میں لوٹ گیا تھا
گھر آ کر بیٹھ رہا تھا
پھر شہر شہر قریہ قریہ سندھ میں گھومتا رہا
دربار لال شہباز" قلندر میں بہشتی بن کر رہا
گھر گھر ٹکڑوں پر پل کر ریزہ چینی کی
میرے ہاتھوں کی بٹی ہوئی رسیاں (دیکھو)
(بے ترتیبی کے باعث) الٹی سیدھی بٹ گئی ہیں
اٹھارہ سال تک (بزرگان دین کے دربار میں سوالی رہا)
بالآخر سخی بزرگ نے میری مراد پوری کی
میں نقیب جان (اپنے دوست اور ملازم) کے ہمراہ تھا
ترکش اور کمان سے (دونوں) مسلح ہوکر
دشمنوں کے گڑھ میں داخل ہوئے
شیرازی تلوار سے بیس کو تہہ تیغ کردیا
(دشمنوں سے) مزید بیس کو بڑے چھرے سے ہلاک کیا

بیست گوں تبرزینءِ رہءَ	بیس کو کلہاڑی سے قتل کردیا
بیست گوں دوگوشیں خنجرءَ	بیس خنجر کی دودھاری پھسل سے غارت کئے
ہشتادبلوچ کُشت کنگریں	اس طرح اسی شان والے بلوچ قتل کئے
تئ سہرنگءِ ہوناں میزریں	(مگر یہ تو) تیرے سرخند گھوڑے کا خون بہا تھے
من انگت تئ جُستءَ کناں	میں تیرے خون کا بدلہ ابھی اور لوں گا

یہ تو بالاچ کی سرگزشت تھی کہ دودا کی موت کے بعد اُس پر کمسنی سے جوانی تک کیا گزری دوا سے جھڑکی کھا کر لوٹنے کے بعد وہ گھر آیا اور گھر، خاندان اور املاک کو برباد پا کر صحرانوردی کو نکل کھڑا ہوا، سندھ اور ڈیرہ جات میں حضرت لال شہباز قلندرؒ سخی سرورؒ اور دوسرے بزرگان دین کے مزارات پر خدمت گزار بن کر رہا حتیٰ کہ اولیاء کرام کی مرحمت سے اُسے وہ خصوصیت عطا ہوئی جسکی طرف مست توکلی نے اشارہ کرتے ہوئے اُسکی خواہش کی تھی۔

چاڑ منی دستءَ	میرے بازو کو وہی کرامت بخش دے
چاڑتے بالاچءِ کواں	جو بالاچ کے کمان کو عطا کی تھی

بالاچ کو بزرگوں کی دُعا سے یہ خصوصیت بھی عطا ہوئی کہ تیز رفتاری میں کوئی سوار اُس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا اس خصوصیت کے باعث وہ آندھی کی طرح دشمنوں پر آ کر ٹوٹتا اور بگولے کی طرح اُن کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا اس طرح بالاچ نے اپنے بھائی کے قاتلوں اور دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا۔ جب وہ اپنے مشن کی تکمیل کیلئے روانہ ہوتا ہے تو اُسکے جذبات قابل بیان ہوتے ہیں۔

نوداں شما گوزت سارتیناں
اھوالاں برے جوریناں
اودگوئر رنگریں بیبرگءَ
پڑءِ زحم جنیں سردارءَ
لڈولڈ کن او وڈیرو
لڈولڈبہ کن نزیک بیا
نزیک بیاپرادعوئیءَ
مٹ گچوں گہیں ورناہاں
باریں کہ خداچونءَ کنت
جنگءَ کئی دپ ہون کنت
ملک و مال کئی بہرءَ بنت
سوباں پہ کیابخشائیت
بیلارءَ رگاماں گورتہ
کگ ءِ دامنءَ کہہ زرتہ
سبزانت زامرءُلب انت میزگ

شرانت پہ تئی ڈاچیاں
بگ وبرنکنیں مہہ روداں

اے ابرخنک جب تو وہاں سے گزرے
میرا یہ احوال تلخ (دردوغم) پہنچا دینا
احوال گھبروبی برگ کو پہنچانا
پڑقوم کے تیغ زن سردار کو
(کہنا) کوچ پرکوچ کرکے بڑھتے چلے آؤ
بڑھ کر قریب آجاؤ
(تاکہ) وہ جھگڑا اور تنازعہ فیصلہ ہوسکے
جوان اور منتخب جیالوں کو مقابل کیا جائے
پھر خُدا کو جو منظور ہو وہی ہوگا
دیکھیں کس کا منہ خون سے بھر دیتا ہے
ملک اور جائیدادیں کس کے حصے میں آتی ہیں
فتح ونصرت کس کو عطا ہوتی ہے
(اطلاعاعرض ہے کہ) بیلار میں بادل خوب برسے ہیں
کگ کی وادی ہری بھری ہے
زامر (ایک جھاڑی) اور میزگ (ایک چارہ)
ہرے بھرے ہیں
تیری اونٹنی کیلئے بہترین چارہ مل جائے گا
تیرے گلوں کے چرنے کے اچھے مواقع ہیں

بالاچ کی زندگی ایک جہد مسلسل کی آئینہ دار ہے لڑکپن سے جوانی تک وہ دکھوں کے سائے میں پلا۔ قدم قدم پر مایوسیوں، مصیبتوں اور امتحانوں سے سابقہ رہا۔ وہ اپنی ان مصیبتوں کی تفصیل اپنے کلام میں خود بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی اُس انتظام کا بھی ذکر کرتا ہے جو اُسے عمر بھر بے چین کئے رہا مگر وہ نہایت ہمت، جرات اور بے خوفی سے اپنے مشن کی تکمیل میں کوشاں رہا۔ لڑکپن میں جب بڑے بھائی دودا کے سایہ عاطفت سے محروم ہوا تو وہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح وہ دوسروں کے در پر ریزہ چین رہا۔ اُسے کیا کیا طعنے برداشت کرنے پڑے پھر جب جوان ہوا تو انتقام کی آگ کس طرح اُسے جھلستی رہی وہ یکا وہ تنہا کس طرح دکھوں کا سامنا کرتا رہا کیسے وہ اولیاء اللہ کی پناہ میں چلا گیا اور کس طرح دل کی مُراد پائی۔ یہ تفصیل اس نظم میں موجود ہے جسمیں وہ اپنے سب سے بڑے دشمن کو ہلاک کر دیتا ہے۔

چاکہ منی بیرگوں دشمناں گارانت	جب سے میرا بدلہ دشمنوں پر قرض ہے
کمبریں گونچانوں سرءِ بارانت	دھاریدار گونچاں[1] وبال دوش ہے
کمبریں گونچان وکشءِ کلی	دھاریدار گونچان اور پانی کا مشکیزہ
توبہ چہ گونچانءَ دوبندینءَ	توبہ ان کے کھردرے بند رسیوں سے
کلی آنی بنداں وروکین آں	مشکیزوں کے بند (رسیاں) کندھے میں
	کھب جاتی ہیں
اچ زہانی جوشتگیں آپاں	اور چشموں کا ابلتا ہوا پانی

1۔ توشہ دان

صیدش پہ ناکامے گراں تنگاں
ہرن بھی مجبوری سے ایک گھونٹ پیتے ہیں

من کسانان وٹیبر وگونڈاں
میرا[1] بچپن ہے، میں ایک کمسن لڑکا ہوں

مرمریں آسانی سرءَ زُنڈاں
ٹمٹماتے چولیوں کے پاس بیٹا رہتا ہوں

کولاں چہ گرمیں تاپگاں پنڈاں
گرم تو وں سے پھلکے اُچکتا ہوں

زال منا نکور جنت چماں
عورتیں نکھٹو سمجھ کر برا بھلا کہتی ہیں

زال جنت نکوروشگاں زپتیں
عورتیں برا بھلا کہکر طعنے دیتی ہیں

من مزن بان وچوٹواں بلاں
(مگر) میں جوان ہوکر کھیس رکھ لوں گا

چوٹوءَ گھب ریش وگلالک باں
کھیس اور لمبے بالوں کیساتھ گھنی داڑھی رکھ لوں گا

من کمانے پہ لیٹر ہے زیراں
میں ایک اونٹ دیکر اُسکے بدلے میں کماں حاصل کروں گا

چل وچار تیر پہ مادگیں گوکے
'چوالیس تیروں کیلئے ایک گائے دے دوں گا

نندان وسوہان کناں تیراں
دن بھر بیٹھ کر ندی کے کھردرے پتھروں پر

پہ چگردءِ آپ داتگیں ڈوکان
ان تیروں کی آنی تیز کروں گا

کس گبرے پہ گاریءَ نیلیت
(لوگو) کسی کی دمڑی بھی گم ہوجائے تو چین نہ ملے

من وتی آریفین پتءِ ہونءَ
میں (باپ کی طرح کے محترم بھائی) کا خون کیسے رائیگاں جانے دوں

چوں بلاں گوں دشمنیں مرداں
کس طرح دشمنوں پر یہ خون قرض رکھوں

۱۔ یاد آیا ہے

من شتاب کشتیگے بہسنیگاراں	میں نے ایک کشکول (گلے میں ڈالا)
اودءِ شہبازؒ ءِ گُبندءِ داراں	اور حضرت شہبازؒ کی درگاہ میں حاضر ہوا
ہفت براں جھنڈی ءِ کناں زیارت	سات مرتبہ علم کی زیارت کی
ہفت براں زمزیرءِ ئے بچنڈیناں	سات مرتبہ زنجیروں کو چھیڑا
ہفت براں کشکولءِ گراں بوسہ	سات مرتبہ حضرتؒ کے کشکول کے بوسے لئے
ہفت برءِ ڈیلءِ من کناں قرباں	سات مرتبہ اپنی قامت نثار کی
دوشی مناں عرشی پریشتگاں گوشتہ	(تب) ہاتف نے مجھ کو یہ مژدہ دیا کہ
پادا بالاچ! تئی دُعا قبول بیتہ	اُٹھ! بالاچ تیری دُعائیں قبول ہوئیں
نولءِ توشگ ترادات شہبازءِ	شہبازؒ نے تجھے اسباب سفر اور توشہ مرحمت فرمائے
من رواں بوجیگے کناں باڑہ	میں وہاں سے چلا بندرگاہ سے ایک کشتی حاصل کی
اوداماں تنگءِ بندنءِ داشتہ	اور بندرگاہ کی تنگنائے میں جا کر ٹھہرا
کوچگءِ آہوگاں بتاچیناں	وادی کے ہرنوں[1] کو دوڑ کر پکڑ لیتا اور
چوبزیگءِ من کپگا کرتن	بکریوں کی طرح اُن کا دودھ دوہتا (پیتا)
روچ کہ زردیں دیگرءِ جہل بیت	سورج جب عصر سے ڈھل جاتا شفق پھیلتی
روک تنگ ٹیکی مرمریں آسے	میں ڈاکوؤں کی طرح ٹمٹماتی آگ روشن کرتا

۱۔اس سے مراد وہ تیز رفتاری تھی جو بزرگان دین کی کرامت سے بالاچ کو حاصل ہوئی کہ وہ ہرنوں سے بھی زیادہ تیز رفتار تھا۔

پلکوں پُل پیٹے پُرانی ایں
پوپلی بھورنیتگ من وبیلءَ

ریت[1] میں روٹی پکا لیتا
میں اور میرا ساتھی ساری کی طرح توڑ کر یہ روٹی کھاتے

بیل منی جنگانی نقیبوانت
گوں دوصد تیراں جابوئے گوں انت
صد منی سیوائی کمانیگ انت

میرا ساتھی جنگجو نقیبو ہے
جسکی ترکش میں دوسو تیر ہیں
سوتیر میری سیوائی کمان کے (میرے ترکش میں) تیر

ایسف پہ گوکی لوٹگے آ تکہ
نیاگءَ سیپاریں کلام داشتہ
گوں منئے سوگند وسام وارتہ
نیں منا ں کلانی نشوں داتہ
قول گوں پلیں اسپرءَ بستہ

(اسی اثنا میں) یوسف ایک بیل مانگتے آیا
درمیان میں تیس پاروں کا قرآن ضامن ٹھہرایا
میرے ساتھ عہدوپیا ن کئے
اسکے بعد اُسنے مجھے جھونپڑے کی شناخت کرائی
اور کہا بیرگ کے جھونپڑے پر ڈھال لٹک رہی ہوگی

کل ہما اِنت کہ بوردَپے بستہ
بارگیں بورءُ چاہڑی تازی
اسپرءَ کلیگءَ دَیاں ڈیکی

یہ جھونپڑا ایسا ہے کہ اس کے قریب گھوڑا بندھا ہے
اور بے تاب تازی کتا موجود ہے
اُسنے کہا میں ڈھال اس طرح جھونپڑے سے ٹیک دوں گا

درنجاں گوں پیش دارءَ کڑی ئیگءَ

کہ وہ دُور سے اچھی طرح دیکھنے میں آئے

ا۔ آگ سے ریت کوخوب گرم کر کے گوندھا ہوا آٹا اسمیں رکھ کر پکاتے ہیں بلوچی میں اسے پھرانی کہتے ہیں۔

من وتی کرزپہ اسپرءَ داتگ

میں نے اپنا وزن ڈھال پر ڈال دیا اور ٹیک لگائی

اسپرءِ کرز پہ ملگیں ڈیلءَ

اس طرح کہ ڈھال میرے جسم سے لگی رہے

شپ اول پاس گوں چنڈگاں گوستہ

رات کا پہلا پہر اونگھتے ہوئے گزرا

دل منی مرگی واب شتہ اوداں

میں پرندوں کی طرح بیدار خواب ہوتا تھا کہ

ٹوہتگ ہیلءَ گپت منی نامءَ

میرے ساتھی نے مجھے نام لیکر پکارا اور کہا

بُست بکن بالاچ آستگ بامءَ

بالاچ اُٹھ جا کہ صبح کا ذب کا وقت ہے

لانک وتی مردی توکلے بستہ

میں نے مردانگی سے اپنی کمر کس لی

میتگءِ ہینگ چہ گسپنگاں کپتہ

گاؤں کے کتے بھی تھک کر بھونکنے سے رہ گئے تھے

من رواں کنداں و نگوشاںءَ

میں چاروں طرف ہوشیاری سے دیکھتا جارہا تھا

وشمناں پادمال و لپاشانءَ

تاکہ دشمنوں کو نیست و نابود کرسکوں

کایاں پہ کلانی ھبیلیگءَ

جھونپڑے کے گھاس پھونس کی حویلی سے گزرتا ہوا

بُرتاں کلءِ بانزری راستیں

میں نے جھونپڑے کو دائیں جانب سے کاٹ دیا

پیہتاں کل ءِ اندر و توک ءَ
براہندگ واب گہتہ زری کوش ءَ

اور جھونپڑے کے اندر داخل ہوا
صاحب خانہ سمندری ہوا کے جھونکوں میں
گہری نیند سو رہا تھا

آمزن پادینگیں جن ءِ ذوتاں

اور پہلو میں بڑے بڑے کڑے پہنے
ہوئے خاتون خانہ سوئی تھی

من وتی موجیں خاطرءَ چاراں
کارنہ انت شلیں خنجریں ہوت ءِ

میں نے کچھ دیر تک دل میں سوچا
یہاں بہادروں کے تیز خنجر سے کام نہیں لیا
جاسکتا

دستوں برت پولاتیں تپرزین ءَ

کلہاڑی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے
رک گیا

کارنہ انت شیرازی مزار کودءِ

یہاں شیرازی تلوار جو شیروں کو ہلاک کرتی
ہے سودمند نہیں

درکتوں سوہان رستگیں تیرے
یکے ماں مردوارءِ دپ ءَ داتوں
زوروں پہ راستیں پنجگ ءَ داتہ
درہگ ءَ سیوائی کماں سرپتہ
تیرچہ آلائیں کش ءَ گوستہ
تاں لحیف ءَ گوں منجوئے سپتہ

ترکش سے تیز آئی کا تیر نکال کر میں نے
آدم خور کمان کا چلّہ چڑھایا
دائیں ہتھیلی کا سارا زور صرف کیا
ایک زوردار آواز کیساتھ سیوائی کمان کھنچی
تیر اُسکی پسلیوں کو چھیدتا ہوا نکلا
رضائی اور پلنگ میں سوراخ کرتا ہوا

جہل ڈگارءَ پہ نیزگے نشتہ
ہون چہ پن واریں دَپءَ آتکہ
چہ بروتان دبرنگلیں ریشان
چیر جنگ چنک و گپتگوں تتگے
درشتوں ریکی بانڈے گپتوں

عومرءَ پہناتی جنگ گوانکے
"اومڑاہانی مردکشیں بالاچ!
السیف دگہ راجی کنگریں ہوتءِ
بیگناہ تو پہ گونڈلاں بستگ"
من جوابے پہ سردماغ داتگ
من نکشتگ کہ وعدہے آتگگ

پیالہے پُربتگ حسابانی
السیف وتی قولانی بلاز رتگ

کئے وتی موجانیں دلءِ حالءَ
دنت گوں سیہ ماروارتگیں زالءَ

زمین میں جاکر پیوست ہوا
(اُسکے) منہ سے خون کی دھار پھوٹ نکلی
مُونچھوں اور گھنی داڑھی کو بھگونے لگی
اوک بھرکر میں نے ایک گھونٹ پیا
اور دوڑکر ریت کے ایک ٹیلے کے پیچھے
جاچُھپا
عومر نے بالواسطہ پکارکر بتایا
شان والے مردوں کے قاتل بالاچ!
یوسف تو کسی دوسری ذات کا بلوچ ٹھہرا
جسے تو نے بیگناہ تیروں سے چھید ڈالا
میں نے تمکنت سے جواب دیتے ہوئے کہا
میں نے قتل نہیں کیا مگر اُسکے دن پورے
ہوچکے تھے
اسکی زندگی کا جام بھر گیا تھا
یوسف تو اپنے عہد وپیمان کی بھینٹ
چڑھا ہے
کون اپنے راز ودل بیوی سے کھولتا ہے
سانپ ڈسے ایسی بیوی کو

السیف منی مات قوم ءُ بُن بیہیں	(تاہم) یوسف ماں کے رشتہ سے میرا دُور کا رشتہ دار ہے
السیف منی لانک بندءِ سری گرنچھیں	یوسف میری ناموس کے رشتے کے پہلی گانٹھ ہے
یامن بانءُ یا جڑیں بلی بگر	میں جیوں گا یا گھبرو جوان بی برگ جئے گا
السیف یک تہناءَ نروت قبرءَ	یوسف تنہا تو قبر میں نہیں جائیگا
ہرکجام ماتءَ بچ وتی دوستیں	جس ماں کو اپنا بیٹا پیارا ہے
ہرکجام وسیءَ وتی زامات	جس ساس کو اپنا داماد عزیز ہے
ہرکجام گہارءَ چوٹ بروتیں برات	جس بہن کو اپنے نوجوان بھائی سے محبت ہو
ہرکجام زالءَ سمہیں قولی	جس بیوی کو اپنا سہاگ عزیز ہو
گوں من دبیرا ہیں سرے میلی	میرے ساتھ جانے سے اُسے روکے
من گنوکاں ولیڑہ منی کوریں	میں تو ایک بدمست پاگل ہوں اندھے اونٹ پرسوار
پُرشگین رودانی سرءَ گرداں	نہروں کے ٹوٹے ہوئے کناروں پر گھومتا رہتا ہوں
رود کروجنت وڈیل چیر ترنت	یہ کنارے ٹوٹتے ہیں تو قامتیں دب جاتی ہیں

(۲)

بیاات منی براہندگاں	آؤ میرے عزیز دوستو

سرحال ءُ راز ءِ محکماں	حالات اور راز ہائے دروں پردہ سے واقف
منا نکے چنگ جوریں بداں	مجھے حریفوں نے طعنوں کے داگ دئے ہیں
زرد گشتگاں چوتیچگاں	جنکی وجہ سے میں خربوزوں کی طرح زرد ہوگیاہوں
پرواست پُلیّں ھنبلاں	اپنے عزیزوں کی پیاروں کی موت پر
دودا ءِ مہران ءَ زراں	اب تک دودا کی محبت میں بیقرار ہوں
سمعیل ءِ شیرازی لڑءَ	سمعیل کی شیرازی تلوار
میرزا ءِ زین ءِ گروہ برءَ	اور میرزا کی تیز رو گھوڑی کو نہیں بھول سکا
سمین ءِ میان ءِ کہپرءَ	سمین کے میان کی شمشر یاد ہے
سمّی ءِ گوکانی اڑءَ	سمّی کے گایوں کے قضیئے میں جو
اوداں ماں گرم آپ ءِ تڑءَ	وہاں گرم آپ کے مقام پر
ہفتاد گشینی کنگراں	ستر دوسرے منتخب شہسواروں سمیت
واب انت ماں سیہ ڈن ءِ سرءَ	ویرانے میں محو خواب ہیں
یکے نہ گنداں ظاہرءَ	ان میں سے کوئی ایک بھی نظر نہیں آتا
گوں کئے کناں راز دلی	میں کس سے اپنے دل کی بات کہوں
بیا تو منی ہمبل دلی	آؤ تم ہی آجاؤ میرے وفا دار دوست

میریں نقیبؔ جاں زحم جنیں
گوں تو دلی گپے جنیں
دوشی ماں وابءَ نیم شپاں
من وپتگءَ واب بیتگاں
وابءَ بشارت بیت منا
دودا گوں پلیں ھنبلاں
گام گیژءَ شیری ملگاں
مندرگی ، دستءِ ٹلگاں
آتکگ منی برات برنگلین
نشتگ منی راستیں کشءَ
دستے بہ شپتگ مئی گورا
"بالاچ منی زردءِ رضا
نگراں مبوماں حاطرءَ
ثمیءِ گوکانی اڑءَ
راستے کہ ماکل کشتگیں

نقیب جان،تلوار کے دھنی
آؤ میں تمھیں دل کی بات بتاؤں
شب گزشتہ ،آدھی رات اُدھر
میں محو خواب تھا کہ
خواب میں مجھے بشارت ہوئی
دودا اپنے جامہ زیب ساتھیوں کے ہمراہ
شیرانہ چال اور خرام ناز سے آیا
اسکی انگلیوں میں انگوٹیاں چمک رہی تھیں
میرا شیر جیسا بہادر بھائی آیا
اور میرے دائیں طرف آ کر بیٹھ گیا
میرے گلے میں بانہیں ڈالکر کہنے لگا
بالاچ ! میرے دلربا بھائی
اس بات سے کیوں دُکھی ہوتا ہے کہ
ثمی کی گایوں کے قضیے میں
ہم مارے گئے ہیں (حالانکہ[1] ہم زندہ
ہیں)

---

[1]۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے کہ اُن کو مردہ مت کہو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں مگر تم نہیں جانتے

ماپہ میاراں مرتگیں
من ہم جواب داتگ پدا
اوداگوں دودا تیغ زنءَ
آروچ کسانی بیتگاں
(تئی) ملءِ پدا گوں کپتگاں
توچک جنگ گوشتگ منا
ترو برو لوگءَ پدا
ہونءِ گڈاں جستءَ بکن
من زہر کنیءَ گشتگاں
لوگءَ وتیءَ نشتگاں
ملک و ولائت گشتگان
پہ باگچیں سندھءَ شتاں
اردوگوں شہبازءَ کتاں
شاہءِ پکالی بیتگاں
چہ میتگاں چنڈ گپتگاں
دودا جواب گردنیت پدا
گڈی منی سوج ات ایشیں
سانگ اِ ءَ مہ زیراچ دشمنءَ

اسلئے کہ ہم عزت کی خاطر مرے ہیں
میں نے جواب میں کہا
اُس تلوار کے دھنی دودا سے کہ
میں اُن دنوں کمسن لڑکا تھا
آپکی گھوڑی کا پیچھا کیا
آپ نے مڑکر کہا تھا
لوٹ کر گھر جاؤ
میرے بعد میرے خون کا بدلہ لینا
میں غصے میں لوٹ کر آگیا تھا
گھر آکر میں بیٹھ گیا
پھر شہر شہر قریہ قریہ گھوما
سندھ کے مرغزاروں میں پھرا
دربار حضرت لال شہباز قلندرؒ پہنچا
شاہؒ کے دربان کا بہشتی بن رہا
گھروں سے روٹیاں مانگ کر گزر کی
دودا نے جواب دیتے ہوئے کہا
میری نصیحت گرہ میں باندھ رکھو
دشمن سے ہرگز رشتہ قبول نہ کرنا

ناگہ کہ ردبئے اچ چدا	ایسانہ ہوکہ یہیں سے دھوکا کھاجاؤ
آمردکہ زالانءَ گرنت	جومرد شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں
انگار ہوناں چہ کنت	وہ خون کا بدلہ لینے سے اغماض بَرتتے ہیں
ذوق کرگزانی شیرکن انت	اسلئے کہ حسینوں کی چاہت بہت شیرین ہوتی ہے

ا۔اس مصرع میں بلوچوں کے اُس معاشرتی رواج کی جانب اشارہ ہے جب فریقین میں کوئی مقتول ہوجاتا ہے تو خون بہا میں قاتل اُسے اپنے خاندان کی بہن بیٹی کا رشتہ دیکر باہم سمجھوتہ کرلیتے ہیں ایسے رشتہ کو''بازو'' بھی کہا جاتا ہے۔دوداخواب میں اپنے بھائی کو فرمائش کرتا ہے کہ''میری بات گرہ میں باندہ لوکہ دشمنوں سے ہرگز رشتہ قبول نہ کرنا۔

واب چاہ بزمانی سرانت	ایسے لوگ شبستانوں میں سونے کے عادی ہوجاتے ہیں
براتانی گروئیں حرانت	بھائیوں کا حکم گدھے کی طرح بجالاتے ہیں
زال ءِ حضوری نوکر انت	بیوی کے ہمہ وقت نوکر ہوکر رہ جاتے ہیں
آمرد کہ ہونان، ءَ گرانت	مگر جو لوگ خون کابدل لیتے ہیں
شپ آلہی بے واب بنت	ساری ساری رات بے خواب رہتے ہیں
پہ دشماں نیشن آں درشنت	دشمنوں پر دانت پیستے رہتے ہیں
بچش گچینی گونڈل انت	اُن کے بیٹے منتخب تیر(گولیاں) ہوتے ہیں
براز اتگ شلیں خنجر انت	اُن کے بھتیجے تیز دھار کے خنجر

آریف مزن ٹپیں لڑ انت	اُن کے محترم والد کاری ضرب لگانیوالی شمشیر
روچے دوبرڈاہ کنت	وہ دن میں دودو مرتبہ چونک اُٹھتے ہیں
چولیڑواں نیش ورنت	مست اونٹ کی طرح دانت پیستے ہیں
جنیٰ ءَ کونائینت شپی	رات رات بھر جن زرد کی طرح کسمساتے ہیں
بورش سپتیں چھبو انت	اُن کے گھوڑے اُن کے سفید پاپوش ہوتے ہیں
کوہ انت بلوچانی کلات	یہ پہاڑ بلوچوں[1] کے مضبوط قلعے ہیں
انبارش بے راہیں گرانت	ان کے ذخیرے مسدود راہوں والی گھاٹیاں
برزیں ھشی اش گواتگر انت	بلند چوٹیاں اُنہیں بمنزلہ برج ہیں
پوشاک پشت ءِ چادر انت	اُن کا پہناوا اُن کی چادریں ہیں
دنیار زئی شیر پُسگیں	دنیار زئی قوم کے شیرزاد بیٹے
زانے کہ بے ولجہ نہ انت	(تمہیں) معلوم ہونا چاہیے کہ گئے گزرے نہیں ہیں
وانت کار ءَ بوری ولجہ انت	وہ تمول کے مالک اور گھوڑوں والے ہیں
بالاچ بنت ہوناں گرانت	(جو) بالاچ بنکر خون کا بدلہ لیا کرتے ہیں

---

[1] یہ قول ضرب المثل ہوکر رہ گیا ہے۔

(۳)

چراں اِ وکایاں اج دَرءَ	باہر سے گھوم پھر کر جب گھر آتا ہوں
شش بور گنداں بستگ ءَ	چھ گھوڑے تھان پر بندھے ہوئے دیکھتا ہوں
چگان ءَ گنداں سیوگ ءَ	سہمے ہوئے بچوں پر نظر پڑتی ہے
دوست ءَ زہیرفیں گریوگ ءَ	(دودا کی محبوب) بیوی کو روتا ہوا دیکھتا ہوں
درداں ماں بالاچ ءِ دل ءَ	یہ درد بن کر بالاچ کے دل پر اثر کرتے ہیں
بڑناں منا ماں حاطرءَ	دل میں دکھ اور تاسف بھر جاتا ہے
ہر پچت جھیڑاں گوں دل ءَ	دل سے میں جتنا الجھتا ہوں
دل چوکیں دنت انت منا	دل مجھے اسی قدر ترغیب وملامت کرتا ہے کہ
بالاچ مہ نند یک ساعتے	بالاچ ایک گھڑی بھی آرام کی حرام ہے
ہونی تئی گرداں ایمن ءَ	جب تک تیرے خونی آزاد گھومتے ہیں
دوشی کہ گرنداں گرند کتہ	شب گزشتہ جب بادل گرجے ہیں
گٹ وپڑی کل سوتک گاں	بجلی گری ہے اور آبادیاں بھسم ہوئی ہیں
زنگی و میریں کاوڑی	زنگی اور میر کاوڑی جیسے بہادر

ا۔اس نظم میں بالاچ ،دودا کی موت کے بعد اپنے گھرانے کی زبون حالت بیان کرتا ہے جس نے اُسے انتقام لینے پر مجبور کیا۔

کُشت انت مزن لجیں بلوچ	ناموس اور عزت کے رکھوالے بلوچ قتل ہوئے ہیں۔

دست دست اتنت ماں کُتو آں
کاڑاں پہ چماں دیستگ انت
من گوں بداں ہنچش کناں
میداں گوں ماہی ءَ کتگ
بُزگون کہیری شنگیراں

گاؤں میں اُن کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں
کنواریوں تک نے یہ نظارہ اپنی آنکھوں دیکھا
میں دشمنوں سے ہی ایسا ہی سلوک کروں گا
مچھیروں نے مچھلیوں سے کیا کیا ہوگا
بکریاں جس طرح کہیر کی نازک ٹہنیوں کو نوچتی ہیں

بازگوں کبوتی ولرّاں
ھیک ءَ کتہ گوں ارزناں

باز جس طرح کبوتروں کے جھنڈ پر جھپتا ہے
سؤر جس طرح باجرے کے کھیتوں کو پامال کرتا ہے

گرگ گوں مزن چیڑیں جڑاں

یا بھیڑیا جس طرح پلے ہوئے بزغالوں کو چھیر پھاڑ دیتا ہے

مست و سمّو

بلوچستان کے مشرق میں کوہ سلیمان کا طویل و عریض سلسلہ کوہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کوہستان کے جنوب مشرق میں بلوچوں کا بہادر اور شمشیر زن قبیلہ مری آباد ہے۔ جسے انتظامی طور پر مری ایجنسی کا نام دیا جاتا ہے۔ اسکے شمال میں لورالائی، ڈکی، جنوب میں ڈیرہ بگٹی، مغرب میں سبی اور مشرق میں ڈیرہ غازی خان واقع ہیں ڈیرہ غازی جسے کبھی بلوچوں نے بسایا تھا آج بھی یہاں بلوچوں کی تعداد اکثریت میں ہے اور سماجی ثقافتی اعتبار سے بلوچی علاقہ کہلاتا ہے قبیلہ مری عام طور پر چار اہم شاخوں میں منقسم ہے۔ یہ شاخیں آگے جا کر ''پاڑوں'' اور ''پلیوں'' میں بٹ جاتی ہیں۔

(۱) گزینی (۲) لوہارانی (۳) مزارانی (۴) بجارانی

مگر ہم جس ہستی کو ذکر کر رہے ہیں اُسے ان انتظامی اور سماجی بندھنوں سے واسطہ نہیں۔ وہ سراپا عشق شخصیت حضرت توکلی مست کی ہے کہ عشق و عرفان نے اُسے قبائلی تنگنائے سے نکال کر آفاقی مقام بخش دیا ہے۔ لوہارانی قبیلہ کے محمدانی درکانی صف میں مست توکلی کی ولادت ایک اندازے کے مطابق ۱۸۳۱ء میں لال خان کے ہاں ''مانٹرک بند'' کے گاؤں میں ہوئی جو مری علاقہ کے مرکزی مقام کاہان سے شمال کی جانب واقع ہے۔ آپ کا نام چھٹی کی رات کو اگرچہ سہراب خان رکھا گیا تھا لیکن سردار گھرانے میں ایک بزرگ کا نام سہراب خان تھا اسلئے از راہ ادب یہ نام بدل کر توکلی رکھا گیا۔ حقا کہ توکلی سردار سہراب خان سے زیادہ نامور ہوئے ہیں۔ یہ اُس عشق کی عطا ہے جس کے بارے میں مفکر اسلام حضرت علامہ اقبال نے کہا ہے۔

عشق زیادرآوردخیمہ شش جہات را

دست درازمی کندتابہ طناب کہکشاں

مست توکلی ایک ناخواندہ دیہاتی تھے بلوغت کو پہنچے توکسب معاش اپنے قبیلہ کے دوسرے افراد کی طرح ریوڑ ہانکنا ٹھہرا۔ ریوڑ لئے سارا سارا دن کبھی بیہود کی پہاڑیوں میں بھٹکتے کبھی جاندراں کی گھاٹیوں میں، کبھی بھنٹر کی چراگاہ میں تو کبھی چٹیالی کی بلندیوں پر۔ چنانچہ اُن کے کلام پر جب باریک بینی سے نظر ڈالی جاتی ہے تو انہیں مقامات کے تذکرے بکثرت ملتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایسے ہی پہاڑی مقام پر اُس نے دل پر لافانی عشق کے تری کھائے۔ اپنی اس پاک محبت کے بارے میں مست توکلی خود بیان کرتے ہیں۔

بیتغت رب ءِ کارسُوبانی	پھر خدا کا کرنا ایسا ہواکہ
جینبراں گوُڑتھ ءَ کوہ دربھانی	کوہ دربھانی پر موسلادھار بارش ہوئی
زُڑتھ گرداں و نود پلٹانا	رعد کی گرج چمک اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ
مادی پہ اولوہان ءَ چھپانا	میں بھی بارش سے بچنے کیلئے اوٹ کی تلاش میں
بولکے سہرا بیت اودبان ءَ	دُور اک بستی کے چند گھر نظر آئے
دواں ہموذا کہ حیموہاں ہیری	سوچلو اس خیمے کی طرف جہاں حوروں کا مسکن ہے
ہتھیار جوندی بنت سِلہ میری	ہتھیار بھی بھیگنے سے محفوظ ہوں گے
کھوکھراں گاج و گھُمر آں سیری	بادل لہرا لہرا کر رقص کر رہے تھے
واچھڑاں کل ءِ بانزری سِستہ	(وہاں پہنچا تو دیکھا) طوفان بادباران سے
زیت پیروُدار ءِ گوانگراں گپتہ	خیمے کے پنجر گر رہے ہیں

شار بھڑتہ گوات تر میاں شلوخیناں	ہوا اور تیز بوندں نے اُسکی اوڑھنی اڑائی
ڈوبرءِ گل کہ روح بروخیناں	سینے کے پھولوں نے روح میں ہلچل مچادی
دیشہ مئی دیز گنداں کھلوخیناں	میری آنکھوں نے یہ نظارہ دیکھا
نلکساں پہم گپتہ رلوخیناں	جیسے نرگس بہم ٹکرا جائیں
دیم چوڈیوآں بلوخیناں	چہرہ دئے کی طرح روشن اور تابناک
زلف چوسیہ مارءِ تھلوخیناں	زلفیں کالے ناگ کیطرح کنڈل مارے ہوئے
دل منی مجنابی ہواں روشی	میرا دل اُسی روز سے جنوں آشنا ہوا
برو بیزارہاں مست مدہوشی	ہرچیز سے بیزار صرف اُسی کی مدہوشی میں

کوہ درابھانی پر ساون کے گہرے بادل گھر گھر کر آرہے تھے۔ تند و تیز ہواؤں کے تھپڑے پہاڑ کی بلندیوں سے ٹکرا رہے تھے۔ شکار کا دلدادہ توکلی دامن میں بارش سے بچنے کیلئے پناہ کی تلاش میں قرب جوار کا جائزہ لے رہے تھے۔ دور ایک بلوچی خیمہ نظر آرہا تھا۔ توکلی نے سوچا کیوں نہ اس خیمے میں جا کر پناہ لی جائے تا کہ ہتھیار بھیگنے سے بچ جائیں مگر جب وہ خیمے کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ شاید باران کے تھپڑوں سے خیمہ زمین بوس ہوا چاہتا ہے۔ بلوچی جفاکش زندگی کا یہ ایک رُخ ہے کہ ایسے مشکل حالات میں بھی مرد اپنے گھروں سے معاشی مجبوریوں کے باعث غیر حاضر ہوتے ہیں اُس خیمے میں بھی اُس موقع پر خاتون خانہ سمو تنہا اور خیمے کو گرانے سے بچانے کیلئے باد و باران سے نبرد آزما تھی۔ خیمے کی کڑیاں ایک ایک کر کے گر رہی تھیں۔ تیز ہوا اور موسلا دھار بارش سے خیمے کا ستون لڑکھڑا رہا تھا۔ اس جدوجہد کے دوران سمو کی اوڑھنی ہوا اڑا کر دُور لے گئی توکلی پر

سَمو سراپا نے قیامت ڈھادی۔ دونوں نرگیس نینوں سے ملے۔ دو بیقرار آنکھوں نے اُنھیں چہرے کا نظارہ کیا جو دئے کی طرح روشن و تاباں تھا۔ ناگن جیسی زلف لہرائی تو کلی کو ڈستے ہوئے اُس کے جسم اور روح میں وہ جوہر بھر دیا جس نے اُسے تو کلی سے تو کلی مست کا مقام بخشا۔ اُس کے جنوں آشنا دل نے سمو کی محبت قبول اور ہر چیز کو ٹھکرا دیا۔ ''یہ تھی سمو سے مست تو کلی کی پہلی ملاقات اور مست کی محبت کا آغاز جس نے رفتہ رفتہ سمو کو الوہیت کا درجہ دیا اور مجاز کی سیڑھی بلند ہو کر وہ عرفان کی درجہ رفیع پر متمکن ہوا''۔

اسکے بعد مست تو کلی کا مرکز توجہ تمماڑ کا وہ قصبہ بنا جہاں سمو کا خیمہ نصب تھا وہ خیمے کے آس پاس گھنٹوں بیٹھے ہوئے سموں پر نظریں گاڑھے اُسے دیکھتا رہتا۔ بلوچی معاشرے میں ایسا کرنا عام حالات میں قابل مواخذہ ہے خصوصاً مری قبیلہ میں شدید ناپسندیگی کا باعث سمو کے شوہر اور لواحقین نے مست تو کلی کی شکایت قبیلے کے سردار کے پاس جا پہنچائی سردار نے بھی اسے ناپسند کیا اور شکایت کنندگاں کو ہدایت کی کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے صورتحال خراب ہو جائے وہ اس کا تدارک کریں گے۔ سردار نے یا سمو کے لواحقین نے در پردہ گدّ انام کے ایک شخص کو مقرر کیا کہ مست تو کلی کو ٹھکانے لگا دے کہتے ہیں مست تو کلی کو گدّا اپنے ہمراہ لے گیا اور کسی ایسی گھاٹی میں جو بہت ہی گہری تھی بے خبر پا کر دھکیل دیا مگر وہ سلامتی سے نیچے جا کر پہنچا اور اُسے کوئی خراش بھی نہیں آئی۔ اس سے عام لوگوں میں مست تو کلی کی عشق کی صداقت ظاہر ہوئی۔ تاہم سردار نے قبیلے کے شاکی افراد کے اطمینان کیلئے تو کلی مست اور سمو کو بلا بھیجا۔ مست تو کلی کو ایک الگ جگہ میں رکھا گیا اور سمو سے کہا گیا کہ وہ مست تو کلی کے روبرو جائے۔

در پردہ کچھ لوگوں کو مقرر کیا گیا کہ وہ صورتحال کو صحیح شہادت دیں مگر سمو جب مست توکلی کے سامنے جاتی مست توکلی ایک زوردار چیخ مار کر بیہوش ہو جاتے یہ عمل دو ایک مرتبہ دہرایا گیا تب سردار نے پروئی مری افراد سے کہا یہ ایک خدا رسیدہ شخص ہیں سمو کا ذکر یہ ایک عورت کے طور پر نہیں کرتے بلکہ سموان کی روحانی منتہی ہے۔

مست توکلی جس عورت سمو پر فریفتہ ہوا تھا وہ ایک معمولی ناک نقشے کی بیاہتا خاتون تھی جس کے تین چار بچے تھے گھر تھا اور ایک معاشرتی مقام تھا اُسنے کبھی بھی مست توکلی کے بارے میں ایسے جذبات کا اظہار نہیں کیا البتہ آخر عمر میں اُسے مست توکلی سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی وہ اُسے عزت واحترام کے نظر سے دیکھتی تھی۔

مست توکلی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اُسکے چھ بھائی تھے ماسوائے ایک کے سب قبائلی جنگوں میں کام آئے خود مست توکلی کو مری بگٹی قبیلہ کے درمیان ایک معرکے میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا تھا مگر وہ خون ریزی سے یہ کہکر ہاتھ کھینچ آیا کہ۔

وش نہ اَنت جنگانی بدیں بولی

کئے وتی دوستیں مرداں رولی

''جنگ اور خون ریزی کی گفتگو ایک بری زبان ہے کون اپنے پیاروں کو برباد کرنا چاہے گا۔ مست توکلی کے جو بھائی پیرک جنگ میں کام آنے سے بچ رہا اُس نے اپنی محبوب بیوی کی ناگہانی وفات کے بعد محبت کے مارے خودکشی کر لی تھی۔

مست توکلی کو عام طور پر بلوچستان کے عوام میں ایک پاک طینت صوفی اور بلند

پایہ بزرگ سمجھا جاتا ہے آپ کی بزرگی پر دوسری باتوں کے علاوہ آپ کا کلام دلا دیت کرتا ہے جسمیں تصوف کے اسرار ورموز پنہان ہیں۔ مست توکلی باوجو یکہ سمو کی محبت میں اس قدر غرق رہے کہ انہیں ہر چیز میں سمو کا جلوہ نظر آتا تھا مگر آپ شریعت اور طریقت سے بیگانہ نہیں تھے۔ کئی کئی ہفتے پہاڑوں کے کھوہ میں رہ کر عبادت الہٰی میں خشوع وخضوع سے مشغول رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کبار آئمہ کرام اور بزرگاں دین کے مراتب سے باخبر رہے اور جب بھی اُن کا ذکر کیا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے مقامات سے بے خبر نہیں ہیں۔ حضرت لال شہباز قلندرؒ اور سخی سرورؒ سے آپ کو غایت درجہ عقیدت تھی ان عقیدت کا اظہار مست توکلی نے اس طرح کیا کہ بارہا ان بزرگان دین کی زیارت پہ پیادہ طویل سفر کئے وہ کہتا ہے۔

نیں نہ شلاں کہ عاشقان اڈے داثغاں
درک کرموءَ مریدءَ جینشغاں
پیر سوہریؒ ءَ داثغاں شہبازءَ لقا
پیر ملتانءِ کل مذت انت گوں بھاول ءَ

"اب میں لڑکھڑا نہیں سکتا کہ عشاق باصفا نے مجھے تھام رکھا ہے۔ درک کرمو (جام درک) اور شہہ مرید نے رہنمائی کی ہے پیر سوہریؒ اور لال شہباز قلندرؒ نے کرامت بخش دی ہے۔ ملتان کے بزرگ تمام کے تمام حضرت بہاؤالحقؒ سمیت میری مدد پر ہیں"۔

ایک اور جگہ اپنے عقیدے اور ایقان کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

پادماں پوڑی ءَ اڑائینیں

دست خوبی گوں تھنگہیں گہواں
گرہماں ضامنءَ صحیح ایناں
یار ہما انت کہ دائما یار انت
حیدری گفتاراں خبردار انت
مانٹر شہہ سُہر و تھنگواں بار انت

''ہم نے اپنے پیرزینوں میں مضبوط رکھ لئے ہاتھوں سے اُن کے طلائی گہنے پکڑ رکھے ہیں ضامن ہمیشہ اُسے بنانا چاہئے جسکی ضمانت درست اور یقینی ہو۔ رفاقت ہمیشہ وہی اچھی ہے جو پائیدار اور دائمی ہو جو حیدری اقوال سے باخبر ہو جس کا پلڑہ سونے سے بھاری ہو رہا ہو۔''

مست توکلی قدرت الٰہی کی کارگزاریوں سے اختلاف نہیں کرتا۔ مست جیسا عاشق جسکی ساری کائنات سموتھی جب سمو کے انتقال کے بعد اُسکی قبر پر آتا ہے تو آپ کے کلام سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عزیز و حکیم مالک کی تقدیر پر شاکر ہے۔ اُس کے منہ سے جو پہلا کلمہ نکلتا ہے وہ ہے کل نفس ذائقۃ الموت۔

ذی نہ پھیری من تھدڑی کوہ ءَ درکھفاں	کل نہیں، پرسوں تھدڑی پہاڑ کی جانب میرا گزر ہوا
کھاتک و اوشتاتاں سَمّل ءِ کوہیں بانڈواں	جہاں سَمو کے خیمے کی باقیات و آثار بکھرے ہوئے تھے
حقنا موت وَمّن پرے ارمانی نیاں	موت برحق ہے میں اس پر دُکھی نہیں ہوں

آتکغاں من کہ بانڈواں احوالے گراں
سنگ نہ گالائت ہکلے سنگاں رادیاں

میں نے چاہا کہ پتھروں سے استفسار کروں
پتھروں سے میں اگر للکار کر بھی پوچھوں وہ نہیں بول سکتے

سنگ نہ گالائت یشتیں سنگاں رازباں
سنگ نہ گالائت باج ژءِ ذڑیں بانکھاں

پتھروں کی زبان تو ہوتی نہیں کہ وہ کچھ بولیں
پتھر اپنی مالکن کی عدم موجودگی میں کیا بول سکتے ہیں؟

غم تئی سمو شوشاں چھو بچھانی غماں

سمو تیرا غم بیٹوں کے غم کی طرح جان لیوا ہے

تصوف میں توحید، شریعت ورسالت نیز طریقت کا ادراک صوفی کا لائحہ عمل اور لازمہ ہے مست توکلی ان مقتضیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ وہ کہتا ہے

توحید

ایک وایکھی ءَ وث خدا جوانیں
بادشاہ انت کہ نام سبحان ایں
اغ قہار بی تہ زورءِ زومانیں
مہرواں بی تہ رحیم ورحمانیں

وحدت اور یکتائی خدا تعالیٰ کی ذات کو زیبا ہے
وہ ایک ایسا بادشاہ ہے جو پاک ہے
اظہار قہر پر آ جائے تو اسکی سطوت بے پناہ ہے
رحمتوں پر مائل ہو تو نہایت مہربان اور رحم والا ہے

رسالت اور طریقت

ہردمے صد گنجیں خدائی نام ءَ گراں
نام محمدؐ ءِ یاتنوں پیر گوں پڑکواں

میں ہر گھڑی خدائے ستار کے نام کا ورد کرتا ہوں
محمدؐ کا نام یاد ہے، مع مرشد اور اسکے علم کے

الغرض مست توکلی وہ خدا رسید بزرگ، اہل دل اور صاحب صدق وصفا ہے کہ

جسکا نام بلوچستان میں بچے بچے کی زبان پر ہے سمو سے آپکی والہانہ محبت نے اُسے مجاز سے بلند کر کے حقیقت وعرفان کی منزل تک رہنمائی کی۔ آپ سمو کی وفات کے بعد بھی کئی سالوں تک زندہ رہے لیکن وہ ولولہ جو سمو کی زندگی میں مست کو صحرانوردی پر مائل کئے رہا اُسے قرار آ گیا۔

مست توکلی کی شاعری ایک تفصیل طلب موضوع ہے جس پر الگ سے میری کتاب چھپ چکی ہے۔ یہاں اُسکی داستانی پہلو پر مختصراً گفتگو کی گئی ہے۔ آپ کا ۱۸۹۶ء کے لگ بھگ وصال ہوا ''مست ءِ میدان گرمی''۔ (مست کا بیابان) کے مقام پر مدفن ہے جو مرجع خاص وعام ہے۔

سَمو

کلام

ا۔ دوست ژۓ جاندران ءِ لیمواں
یکے
رُستہ ماں ارغونیں گری سایاں

دروشماں دات چوتھا نہی نوداں
زکشیت چو سرگو اتاں سمیئیفاں
لامب ۓ ژنگ انت ماں زامری
چیڑاں
روا رحمارنت ماں بارگیں سریناں

ٹلی ماں گلاں باد شاہی آں

سوزیں چو طوطی آں لقائی آں

۲۔ چھر کھشہ گلہ وکچاواں ءُ کونتراں

میرا محبوب کوہ جاندران پر اُگے ہوئے
لیموں کا ایک پیڑ ہے
جو دشوار گزار گھاٹیوں میں چٹانوں کے
سائے میں بڑھا
وہ ابر بہار کے خدوخال لئے ہوئے ہے
لہراتا ہے تو خوشگوار ہواؤں جھونکا ہے
اسکی شاخیں زامر کے بیل کی مانند پھیلی
ہوئی ہیں
اسکے پتے محبوب کے چہرے کی طرح
طلائی لگتے ہیں
محبوب نہزہت گاہ شاہی میں پھول کی
طرح کھل اُٹھتا ہے
پر اسرار طوطیوں کی مانند سبز رنگ لئے
ہوئے ہے
کجاوے لدے ہوئے اونٹوں کی
قطاریں حسینوں کو لئے رواں ہیں

بادشاہ زادی گوں ہزار ویسیں
ولزہاں لدی
دل منی پُسَندءَ نکنت ززیر مہیراں

سَمَل ءِ لوڈ گوناں گوں کہنی کونتراں

بوئے جادانی چھولونگان وعطراں

بندی جادان وکھر کھنت گمنائیں
گنداں
ا۔ بیاہے سوزیں مُرگ ترا رہا
لوکناں۔
ایر کھف اژ درنگاں بل زہیرانی
زارہاں
زیرسلامان وشل پراپٹ وبیدہاں

نشک و پار ایش انت سہرنتی چمانی
لوار

ان پر شہزادیاں رنگا رنگ ملبوس اور
گھنوں میں لدی بیٹھی ہیں
میرا دل ان تہہ بہ تہہ زلفوں میں اسیر
نہیں
یہ خرام صرف سَمو جیسی کبوتری کا حصہ
ہے
جسکی گیسوؤں کی خوشبو لونگ اور عطر میں
بسی ہوئی ہے
گیسو سمیٹ کر وہ ریشمی ملبوس زیب تن
کرتی ہے
آ اے سبز پرندے تجھے قاصد بنا کر
محبوب کے پاس بھیجوں۔
اونچی چٹانوں سے اتر آ، ہجر و فراق کا
فغاں چھوڑ دے۔
میرا سلام لے صحراؤں اور بیابانوں
سے پرواز کرتا ہوا چلا جا۔
محبوب کا حلیہ یہ ہے کہ آنکھوں میں
سرخ ڈورے ہیں

شیفغیں پوز سُمّل ءِ برواناں آوار

ءِ تھلیں تاویت ژنگاں ماں

دوست ءِ ڈوبرغ۔

بروہموزذاکہ نشتئی ایں مہتاب ماں

مڑاں

بِسک منا دوست ءِ چابکی تاوان ءِ

دیاں

۴۔جی پہ تھئی لوڈان و حدثیان

وکھندغاں

جی پہ تھئی لوڈاں کھولووکاہان ءِ دہاں

پہ تھئی لوڈاں من کناں قرباں

دیذغاں

روح منی شیت کہ بیاترا ایھئے کوہاں

براں

من تھرا شونداراں املانی دردشاں

پھولث ایں سَمّو ءِ بدل پیدائش نواں

سُتواں ناک سمو کے ابروؤں پر موزوں

ہے

اُس کونج کے گلے میں تہرے تعویز ہیں

اے پرندے وہاں جاجہاں چاندنی

دھند میں مستور ہے

اس محبوب کی دلنواز یادیں چابک بنکر

مجھ پر برستی ہیں

خوشاترا خرام تیری گفتگو تیری ہنسی

خوشا تیرا خرام ناز کوہلو اور کاہان کے

علاقوں میں

میں اپنی آنکھیں تیرے خرام پر نثار

کروں

میری روح متمنی ہے کہ تجھے ان

کوہساروں میں لئے لئے پھروں

تجھے حسینوں کے رنگ وعارض دکھاؤں

اور بتاؤں کہ تلاش کرنے پر بھی سَمّو کا

روپ نہیں مل سکتا

دوست منی شیریں چھو سمینانی اُچھلاں

میری محبوبہ ہوا کے جھونکوں کی طرح دلفریب اور لطیف ہے

بوئے وشیں چھوگوڑ تغیں نودانی پداں

اُسکی خوشبو ابر و باراں کی تاثیر جیسی دلپذیر ہے

۵۔قادرءِ کنڈھی شلوخیں

قدرت کی دودھاری تیغ روان ہے

سَمَل ءِ بیلی گنوخیں

سَمو کا پیارا دیوانہ ہے

گوں ایں گوں مست ءِ چڑی آں

اور مست و مدہوشی کی کیفیت میں مغمور ہے

سَمو گٹھ گوں برگڑی آں

سمو کے گلے میں چھنکتا ہوا ہار ہے

سَمو سرگوں چُنری آں

سَمو کے سر پر چنری ہے

سَمو پھاذ گوں جُتڑی آں

سمو کے پیروں میں جوتیاں ہیں

سَموءِ دوست گوں مری آں

سَمو کا محبوب مری عوام کے ساتھ ہے

سَمَل ءِ لوغ گوں کڑی آں

سَمو کا گھر چٹائی کا جھونپڑا ہے

بلوچی اکیڈمی کی چند اہم مطبوعات